Globethics Repository

Imam Abu Hanifah Imam al-Aimmah fi al-Hadith Jilid 2 (Imam Abu Hanifah the Imam of Muslim Scholars in Science of Hadith (Part 2)

This page was generated automatically upon download from the Globethics Repository. More information on Globethics see https://www.globethics.net. Data and content policy of Globethics Repository see https://repository.globethics.net/pages/policy.

Item Type	Book
Authors	al-Qodiri, Muhammad Thohir
Publisher	Minhajul Quran Press
Rights	With permission of the license/copyright holder
Download date	2026-07-04 15:17:03
Link to Item	http://hdl.handle.net/20.500.12424/184028

باب اَوّل

اِمامِ اَعظم رضی اللہ عنہ کی ولادت، نسب اور بلند پایہ فَقاہت کا بیان

www.MinhajBooks.com

اللہ تبارک و تعالیٰ نے امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو دو عظیم احسانات سے نوازا: ایک یہ کہ آپ کو پہلی صدی ہجری میں پیدا کر کے 'خیر القرون' میں شامل فرمایا اور دوسرا یہ کہ آپ کو بلند پایہ 'فقہی بصیرت' سے نوازا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اَجل تابعین کی صحبت نے امام صاحب کی اِس خدا داد صلاحیت کو مزید نکھارا، جس کی بناء پر آپ نے فہمِ قرآن و حدیث، استخراجِ مسائل اور استنباطِ احکام میں ایک نئے طرزِ فکر کی بنیاد رکھی۔ امام صاحب کی بلند پایہ فقاہت ہی کے باعث آپ کے دور میں موجود سارے محدّثین و فقہاء آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ مذکورہ باب میں انہی دو پہلوؤں کے حوالے سے امام صاحب کے سنِ ولادت و نسب اور آپ کی فقاہت کو زیرِ بحث لایا جا رہا ہے۔

۱۔ اِمامِ اَعظم رضی اللہ عنہ کی ولادتِ باسعادت

امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی ولادتِ باسعادت پر مندرجہ ذیل تین اقوال ملتے ہیں:

۱۔ پہلے قول کے مطابق آپ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی۔

۲۔ دوسرے قول کے مطابق آپ کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی۔

۳۔ تیسرے قول کے مطابق آپ کی ولادت ۶۱ھ میں ہوئی۔

اب ہم ترتیب وار ان اقوال کی قدرے تفصیل بیان کرتے ہیں:

پہلا قول

جمہور ائمہ کے ہاں یہ قول مقبول، معروف اور مختار ہے کہ امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

کی ولادت ۸۰ ہجری میں ہوئی اور وصال ۱۵ شعبان کی رات یعنی شب برأت ۱۵۰ ہجری میں ہوا۔ لہٰذا اِس قول کے مطابق آپ کی عمر ستر (۷۰) برس ہوئی۔ ۸۰ھ میں آپ کی ولادت کے بارے میں ائمہ کرام کے اقوال درج ذیل ہیں:

۱۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پوتے اسماعیلؒ بن حماد (متوفی ۲۱۲ھ) بیان کرتے ہیں:

ولد جدّي في سنة ثمانين.(۱)

''میرے دادا ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔''

۲۔ امام ابونعیم فضلؒ بن دُکین (متوفی ۲۱۸ھ) فرماتے ہیں:

ولد أبو حنيفة سنة ثمانين وهو النعمان بن ثابت.(۲)

''امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔''

۳۔ امام ابراہیم بن علی شیرازیؒ (۴۷۶ھ)، امامِ اعظم کی ولادت و وصال کے بارے میں فرماتے ہیں:

أبو حنيفة النعمان بن ثابت بن زوطا بن ماه مولٰى لتيم الله بني ثعلبة، ولد سنة ثمانين ومات ببغداد في رجب أو شعبان سنة خمسين ومائة، وهو ابن سبعين سنة.(۳)

''امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطیٰ بن ماہ، تیم اللہ بنو ثعلبہ کے آزاد کردہ غلام، ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں رجب یا شعبان ۱۵۰ھ میں ستر برس کی عمر میں وصال فرمایا۔''

(۱) ۱۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۳: ۳۲۶
۲۔ ذهبی، سیر أعلام النبلاء، ۶: ۳۹۵
(۲) ابن زبر ربعی، تاریخ مولد العلماء و وفياتهم، ۱: ۱۹۹
(۳) ابو اسحاق شیرازی، طبقات الفقهاء، ۱: ۸۷

۴۔ امام محمد بن طاہر بن قیسرانیؒ (۵۰۷ھ) فرماتے ہیں:

مولده سنة ثمانين. (۱)

''امام ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔''

۵۔ امام ابنِ جوزیؒ (۵۷۹ھ) لکھتے ہیں:

ولد سنة ثمانين. (۲)

''امام ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔''

۶۔ عظیم نقّاد محدّث امام ذہبیؒ (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

ولد سنة ثمانين في حياة صغار الصحابة. (۳)

''آپ صِغار (۴) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔''

۷۔ امام عبد القادر بن ابی الوفاء قرشیؒ (۷۷۵ھ) فرماتے ہیں:

الصحيح أنه ولد سنة ثمانين. (۵)

''صحیح قول یہ ہے کہ آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔''

۸۔ امام ابنِ حجر ہیتمی مکیؒ (۹۷۳ھ) فرماتے ہیں:

الأكثرون على أنه ولد سنة ثمانين بالكوفة في خلافة عبدالملك

---

(۱) ابن قيسراني، تذكرة الحفاظ، ۱: ۱۶۸

(۲) ابن جوزي، المنتظم في تاريخ الملوك والأمم، ۸: ۱۲۹

(۳) ذهبي، سير أعلام النبلاء، ۶: ۳۹۱

(۴) یعنی امامِ اعظم رضی اللہ عنہ اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں پیدا ہوئے جو وصالِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت کم سِن تھے۔

(۵) قرشي، الجواهر المضيئة في طبقات الحنفية، ۱: ۲۷

بن مروان.(۱)

''اکثر ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ امام ابوحنیفہ کوفہ میں عبدالملک بن مروان کے زمانۂ خلافت میں ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔''

۹۔ علامہ احمد بن محمد ادنروی لکھتے ہیں:

النعمان بن ثابت الكوفي الإمام الأعظم أبوحنيفة ولد في سنة ثمانين.(۲)

''امامِ اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔''

دوسرا قول

دوسرے قول کے مطابق امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی۔ اس پر ائمہ کرام کے درج ذیل اقوال ہیں:

۱۔ امام ابنِ حبانؒ (متوفی ۳۵۴ھ) نے اپنی کتاب ''الجرح والتعديل'' میں امامِ اعظم کی پیدائش کا سال ۷۰ھ لکھا ہے۔(۳)

۲۔ خطیب بغدادیؒ کے ہمعصر امام ابوقاسم سمنانیؒ (۴۹۹ھ) نے اپنی کتاب ''روضة القضاة وطريق النجاة'' میں امامِ اعظم ابوحنیفہ کی پیدائش کا سال ۷۰ھ لکھا ہے۔(۴)

۳۔ امام سمعانیؒ (۵۶۲ھ) نے اپنی کتاب ''الأنساب'' کے باب الخاء والزاء

(۱) ابن حجر هيتمي، الخيرات الحسان في مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان: ۳۱

(۲) ادنروی، طبقات المفسرين، ۱: ۱۸

(۳) تحقيق زاهد الكوثري على مناقب الإمام أبي حنيفة للذهبي: ۷

(۴) تحقيق زاهد الكوثري على مناقب الإمام أبي حنيفة للذهبي: ۷

میں ''خَزَّاز'' کے تذکرہ میں امامِ اعظم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

ولد سنة سبعين.(۱)

''امام ابوحنیفہ ۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔''

۴۔ علامہ بدر الدین عینیؒ (۸۵۵ھ) ''عمدۃ القاری'' میں امامِ اعظم ابوحنیفہ کا سنِ پیدائش ۷۰ھ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقيل مولده سنة سبعين.(۲)

''کہا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا سنِ ولادت ۷۰ھ ہے۔''

تیسرا قول

تیسرے قول کے مطابق امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی ولادت ۶۱ھ میں ہوئی۔ یہ قول بالعموم بہت سی نگاہوں سے اوجھل رہا ہے۔ اس قول سے امامِ اعظم کی تابعیت سے متعلق بہت سے شبہات خود بخود دور ہو جاتے ہیں۔ بیشک یہ قول مختار نہیں ہے لیکن اس قول کو بھی کئی محدّثین اور مؤرخین کی تائید حاصل ہے۔

۱۔ امام مُزاحِم بن ذَوَّاد اپنے والد (ذواد) یا کسی اور شخص سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

ولد أبو حنيفة سنة إحدى وستين، ومات سنة خمسين ومائة.(۳)

---

(۱) سمعاني، الأنساب، ۲: ۳۵۶

(۲) بدر الدين عيني، عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب صلاة الإمام ودعاءه لصاحب الصدقة، ۹: ۹۵

(۳) ۱۔ خطيب بغدادي، تاريخ بغداد، ۱۳: ۳۳۱

۲۔ موفق، مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة، ۱: ۵

’’امام ابوحنیفہ کی ولادت ۶۱ ھ میں اور وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔‘‘

۲۔ سنن الترمذی کے راوی امام مُزاحِمؒ بن ذَوَّاد خود فرماتے ہیں:

أنه ولد عام إحدى وستين.(۱)

’’امام ابوحنیفہ ۶۱ ھ میں پیدا ہوئے۔‘‘

۳۔ امام ابنِ خلکانؒ (۶۸۱ ھ) فرماتے ہیں:

قيل: كانت ولادة أبي حنيفة سنة إحدى وستين للهجرة.(۲)

’’کہا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی ولادت ۶۱ ھ میں ہوئی۔‘‘

۴۔ امام ابنِ ابی الوفاء قرشیؒ (۷۷۵ھ) نے امامِ اعظم کی ولادت پر ۸۰ھ کے علاوہ درج ذیل قول بھی نقل کیا ہے:

قيل: أنه ولد سنة إحدى وستين، وقيل: ثلاث وستين.(۳)

’’کہا گیا ہے کہ آپ ۶۱ ھ یا ۶۳ ھ میں پیدا ہوئے۔‘‘

۵۔ علامہ بدرالدین عینیؒ (۸۵۵ھ) نے درج ذیل قول بھی نقل کیا ہے:

وقيل مولده سنة إحدى وستين.(۴)

’’کہا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا سنِ ولادت ۶۱ ھ ہے۔‘‘

۶۔ امام ابنِ حجر ہیتمی مکیؒ (۹۷۳ھ) بعض علماء کا شاذ قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) کردری، مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة، ۱: ۵

(۲) ابن خلكان، وفيات الأعيان وأنباء الزمان، ۵: ۴۱۳

(۳) قرشي، الجواهر المضيئة في طبقات الحنفية، ۱: ۲۷

(۴) بدر الدين عيني، عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب صلاة الإمام ودعاءه لصاحب الصدقة، ۹: ۹۵

أنه ولد سنة إحدى وستين.(۱)

''امام ابوحنیفہ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔''

اَہم علمی نکتہ

دوسرے اور تیسرے قول کی روایات کے مطابق امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی ولادت ۸۰ ہجری میں نہیں بلکہ ۷۰ یا ۶۱ ہجری میں ہوئی جن کی مناسبت سے امام صاحب کی عمر وصال کے وقت ۸۰ یا ۸۹ برس بنتی ہے گویا پہلے قول کے لحاظ سے، اِن اقوال کو ماننے سے آپ کی عمر میں ۱۰ سے ۱۹ برس کا واضح فرق پڑتا ہے۔ اگر امامِ اعظم کی ولادت کا سال آخری دو اقوال میں سے کسی ایک کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے آپ کی تابعیت یا آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سماع کرنے پر بعض لوگوں نے جو اعتراضات و اشکالات وارد کیے ہیں، وہ خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔

۲۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا نام اور کنیت

آپ کا اسم گرامی: نعمان، کنیت: ابوحنیفہ اور لقب امامِ اعظم ہے۔ آپ کے نام نعمان کے لغوی معانی کو دیکھیں تو آپ اسم بامسمیٰ نظر آتے ہیں۔ امام ابنِ حجر ہیتمی المکیؒ نے امامِ اعظم کے نام کے لغوی معانی بیان کرتے ہوئے آپ کے اوصاف یوں بیان کیے ہیں۔ فرماتے ہیں:

اتّفقوا على أنه النعمان، وفيه سرّ لطيف: إذ أصل النعمان الدّم الذى به قوام البدن، ومن ثمّة ذهب بعضهم إلى أنه الرّوح، فأبوحنيفة رحمه الله به قوام الفقه ومنه منشأ مداركه وعويصاته. أو نبت أحمر طيب الروح الشقيق أو الأرجوان بضم الهمزة.

(۱) ابن حجر هيتمى، الخيرات الحسان: ۳۱

فأبوحنيفة رحمه الله طابت خلاله، وبلغ الغاية كماله. أو فعلان من النعمة، فأبو حنيفة نعمة الله على خلقه.(۱)

''ائمہ اس پر متفق ہیں کہ آپ کا نام نعمان ہے اور اس میں لطیف راز ہے:

۱۔ نعمان کی اصل ایسا خون ہے جس سے بدن (کا ڈھانچہ) قائم ہوتا ہے،

۲۔ بعض نے کہا: نعمان کا معنی روح ہے۔ پس امام ابوحنیفہؒ کی وجہ سے فقہِ اسلامی کا ڈھانچہ قائم ہے اور آپ ہی فقہ (یعنی تمام اسلامی احکام) کے دلائل اور مشکلات (کے حل) کی بنیاد ہیں۔

۳۔ یا (نعمان کا معنی) سرخ خوشبودار گھاس ہے یا اَرغوان کے رنگ کو نعمان کہتے ہیں۔ (اس معنی کی رو سے) امام ابوحنیفہؒ کی عادات مبارکہ اچھی ہوئیں اور آپ کمال انتہاء کو پہنچے۔

۴۔ یا نعمان کا لفظ نعمت سے فُعلان کے وزن پر ہے، پس امام ابوحنیفہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی نعمتِ عظمیٰ ثابت ہوئے۔''

کُنیت سے متعلق غلط فہمی کا ازالہ

امامِ اعظم کی کنیت ابوحنیفہ ہے۔ لفظِ حَنِیْفَة حنیف سے مونث ہے۔ آپ کی یہ کنیت کسی صاحبزادی کی وجہ سے نہ تھی کیونکہ حماد کے سوا آپ کی اور کوئی بھی مذکر یا مؤنث اولاد تھی ہی نہیں۔(۲) درحقیقت آپ کی یہ کنیت وصفی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں لفظِ حنیف استعمال کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ○(۳)

(۱) ابن حجر هيتمی، الخيرات الحسان: ۳۱

(۲) ابن حجر هيتمی، الخيرات الحسان: ۳۱

(۳) آل عمران، ۳: ۹۵

’’فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے، سو تم ابراہیم (علیہ السلام) کے دین کی پیروی کرو جو ہر باطل سے منہ موڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کے ہو گئے تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھےo‘‘

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا. (۱)

’’اور دینی اعتبار سے اُس شخص سے بہتر کون ہوسکتا ہے جس نے اپنا رُوئے نیاز اللہ تعالیٰ کے لیے جھکا دیا اور وہ صاحبِ احسان بھی ہوا، اور وہ دینِ ابراہیم (علیہ السلام) کی پیروی کرتا رہا جو (اللہ تعالیٰ کے لیے) یکسُو (اور) راست رَو تھے۔‘‘

امامِ اعظم نے بذاتِ خود اپنی کنیت ابوحنیفہ اختیار فرمائی جس کا مطلب ہے صاحبِ ملتِ حنیفہ یعنی ’’ملِ باطلہ سے اعراض کر کے ملتِ حق کو اختیار کرنے والا۔‘‘ آپ کی ذات ملتِ حنیفہ اور دینِ اسلام کے لیے وقف تھی۔ ملتِ حنیفہ کی اسی نسبت کے باعث آپ کی کنیت عوام وخواص میں ’’**ابوحنیفہ**‘‘ مشہور ہوگئی۔

۳۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا نسب

امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب یوں ہے: نعمان بن ثابت بن زُوطٰی بن ماہ۔ جبکہ بعض ائمہ نے آپ کے دادا کا نام زُوطٰی کی جگہ ’’نعمان‘‘ لکھا ہے۔

اس کی تطبیق یہ ہوسکتی ہے کہ قبولِ اسلام سے پہلے آپ کے دادا جان کا نام زُوطٰی تھا۔ جب آپ کے دادا نے قبولِ اسلام کر لیا تو ان کا نام نعمان رکھا گیا۔ لہٰذا آپ کا

(۱) النساء، ۴: ۱۲۵

نام بھی نعمان اور آپ کے دادا کا اسلامی نام بھی نعمان ہوا۔ آپ کے دادا بھی تابعی ہوئے، والد گرامی بھی تابعی اور آپ خود بھی تابعی تین نسلیں تابعین کی ہوئیں۔ (اگلے صفحات میں اس کی وضاحت آ رہی ہے۔)

امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے پوتے عمر بن حماد اپنے پردادا ثابت بن زوطیٰ کے حالتِ اسلام میں پیدا ہونے کے بارے فرماتے ہیں:

ولد ثابت علی الإسلام. (۱)

''حضرت ثابت حالتِ اسلام میں پیدا ہوئے۔''

اس روایت سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کے والد ولادت کے وقت حالتِ اسلام میں پیدا ہوئے تھے اور یہ اسی صورت ممکن ہے جب آپ کے دادا زوطیٰ پہلے اسلام قبول کر چکے ہوں لہٰذا جن روایات میں آپ کے دادا کا نام زوطیٰ آیا ہے وہ اسلام قبول کرنے سے قبل کا نام ہے اور جن میں اِن کا نام ''نعمان'' آیا ہے وہ اسلام قبول کر لینے کے بعد کا ہے۔

آپ کے پردادا کا نام بھی بعض روایات میں ماہ کی جگہ ''مرزُبان'' آیا ہے۔ لہٰذا آپ کا سلسلہ نسب یوں ہوا: نعمان بن ثابت بن زُوطیٰ/ نعمان بن ماہ/ مرزبان۔ (۲)

(۱) امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے حق میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ فارس کے ایک خوش نصیب شخص کے بارے میں

(۱) ۱۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۳: ۳۲۶
۲۔ مزی، تهذیب الکمال، ۲۹: ۴۲۲
۳۔ نووی، تهذیب الأسماء واللغات، ۲: ۵۰۱
(۲) ۱۔ ابو اسحاق شیرازی، طبقات الفقهاء، ۱: ۸۷
۲۔ ابنِ خلکان، وفیات الأعیان وأنباء الزمان، ۵: ۴۱۳

خوشخبری دی ہے۔ اس حدیثِ مبارکہ کو امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ كَانَ الدِّيْنُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَذَهَبَ بِهِ رَجُلٌ مِنْ فَارِسَ أَوْ قَالَ: مِنْ أَبْنَاءِ فَارِسَ حَتَّى يَتَنَاوَلَهُ. (۱)

''اگر دین اوجِ ثریا پر بھی ہوا تو اہلِ فارس (یا فرمایا: ابناءِ فارس) میں سے ایک شخص اسے وہاں سے بھی پا لے گا۔''

محدّثین نے اِس حدیث میں بشارتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اطلاق امامِ اعظم پر کیا ہے:

۱۔ حجۃ الاسلام امام جلال الدین سیوطی شافعیؒ (۹۱۱ھ) نے ''تبييض الصحيفة'' میں تبشیر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم به (امامِ اعظم کے حق میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت) کے عنوان سے باب باندھا ہے جس میں انہوں نے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی فضیلت پر وارد ہونے والی احادیث تحریر کرنے کے بعد لکھا ہے:

أقول: وقد بشّر بالإمام أبي حنيفة في الحديث الذي أخرجه أبو نعيم في الحلية.

''میں کہتا ہوں: اس حدیث میں امام ابوحنیفہ کی بشارت دی گئی ہے جسے امام ابونعیم نے ''حلية الأولياء'' میں روایت کیا ہے۔''

یہ جملہ نقل کرنے کے بعد امام سیوطیؒ نے اس حدیثِ مبارکہ کو تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے، پانچ مختلف کتب سے، چھ عباراتِ مختلفہ سے تخریج کیا ہے جو اس حدیث کی ثقاہت پر پختہ دلیل ہے۔ آخر میں امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنا تبصرہ ان الفاظ میں فرمایا:

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب فضائل الصحابة، باب فضل فارس، ۴: ۱۹۷۲، رقم: ۲۵۴۶

فهذا أصل صحيح يعتمد عليه في البشارة والفضيلة نظير المحدثين الذين في الإمامين ويستغنى به عن الخبر الموضوع.(۱)

’’امامِ اعظم کے حق میں بشارت اور فضیلت پر یہ حدیث اصل اور صحیح ہے جس پر اعتماد کیا جاتا ہے جس طرح کہ پہلی روایات میں امام مالک اور شافعی کی بشارت تھی، امامِ اعظم کے حق میں یہ صحیح حدیث، موضوع روایات سے بے نیاز کر دیتی ہے۔‘‘

۲۔ امام ابنِ حجر ہیتمی المکی الشافعیؒ (۹۷۳ھ) نے بھی الخیرات الحسان میں باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے: فيما ورد من تبشير النبي ﷺ بالإمام أبي حنيفة رحمه الله (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے حق میں وارد ہونے والی حضور نبی اکرم ﷺ کی خوش خبری)۔ امام ہیتمی نے اس باب کے ابتدائیہ میں امام جلال الدین سیوطیؒ کی درج بالا تحقیق درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ امام سیوطی کے بعض تلامذہ نے کہا ہے اور اسی کی ہمارے شیخ نے توثیق کی ہے:

أن الإمام أبا حنيفة هو المراد من هذا الحديث ظاهر لا شكّ فيه لأنه لم يبلغ أحد أي في زمنه من أبناء فارس في العلم مبلغه ولا مبلغ أصحابه، وفيه معجزة ظاهرة للنّبيّ ﷺ حيث أخبر بما سيقع، وليس المراد بفارس البلد المعروف بل جنس من العجم وهم الفُرس وسيأتي أنَّ جَدَّ الإمام أبي حنيفة منهم على ما عليه الأكثرون.(۲)

(۱) سيوطی، تبييض الصحيفة بمناقب أبي حنيفة: ۳۱۔۳۳

(۲) ابن حجر هيتمی، الخيرات الحسان: ۲۴

’’یقیناً اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اِس حدیث سے امام ابوحنیفہ مراد ہیں کیونکہ آپ کے زمانے میں اہلِ فارس میں سے کوئی شخص بھی آپ کے مبلغِ علم اور آپ کے شاگردوں کے درجۂ علم تک نہیں پہنچا، اور اسی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ بھی ظاہر ہے کہ جیسا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ویسا ہی وقوع پذیر ہوا۔ فارس سے مراد کوئی مشہور شہر نہیں ہے بلکہ یہ عجم کے لحاظ سے جنس ہے اور وہ فارسی کہلاتے ہیں، آگے عنقریب بیان آئے گا کہ امام ابوحنیفہ کے دادا فارسی النسل تھے اسی پر اکثر ائمہ کا اتفاق ہے۔‘‘

امام جلال الدین سیوطیؒ اور امام ابنِ حجر ہیتمیؒ کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ اہلِ فارس میں سے جس خوش نصیب فردِ واحد کے بارے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشارت دی تھی ’’**وہ امامِ اعظم ابوحنیفہؒ ہی ہیں۔**‘‘(۱)

درجِ بالا بحث کو اس تناظر میں بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا فارسی النسل ہونا متعدد دلائل سے ثابت ہے جبکہ مشہور ائمہ فقہ کے عجمی النسل یا عربی النسل ہونے پر معروف کتبِ اسماء الرجال میں واضح شواہد موجود ہیں۔

(۲) امامِ اعظم رضی اللہ عنہ فارسی النسل تھے

امامِ اعظم ابوحنیفہ نسلاً فارسی تھے۔ آپ کے آباؤ و اَجداد سرزمینِ فارس کے ایک شہر اَنبار کے رہنے والے تھے، بعض مؤرخین نے بابُل بھی لکھا ہے۔ اُس وقت سلطنتِ فارس کا پایۂ تخت کوفہ تھا۔

۱۔ آپ اصلاً بابل سے تعلق رکھتے تھے اس پر امام ابوعبدالرحمٰن المقرئؒ فرماتے ہیں:

(۱) راقم نے امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بشارتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشتمل اِس حدیث مبارکہ کی امام صاحب کی عمر کی مناسبت سے ۷۰ اسانید کی تخریج، چالیس اَجل محدّثین کے حوالوں کے ساتھ الگ چوتھے باب میں کر دی ہے۔ اُس باب میں اِس حدیث کے مختلف طرق کو دیکھا جا سکتا ہے۔

كان أبو حنيفة من أهل بابل.(١)

''امام ابوحنیفہ اہلِ بابل میں سے تھے۔''

۲۔ قاضی بہلول بن حسان التنوخی، امام صاحب کے والد کی نسبت اَنبار سے قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ثابت والد أبي حنيفة من أهل الأنبار.(٢)

''امام ابوحنیفہ کے والد ثابت اہلِ انبار میں سے تھے۔''

۳۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پوتے اسماعیلؒ بن حماد صراحۃً بیان کرتے ہیں:

أنا إسماعيل بن حماد بن النعمان بن ثابت بن النعمان بن المرزبان من أبناء فارس الأحرار، والله ما وقع علينا رقّ قطّ.(٣)

''میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان آزاد ابناءِ فارس میں سے ہوں، اللہ رب العزت کی قسم! ہم پر کبھی غلامی نہیں آئی۔''

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پوتے اسماعیلؒ بن حماد بن ابی حنیفہ کے اِس تصریحی بیان

(١) ١۔ خطيب بغدادی، تاريخ بغداد، ١٣: ٣٢٧
٢۔ نووی، تهذيب الأسماء واللغات، ٢: ٥٠٢
٣۔ ذهبی، سير أعلام النبلاء، ٦: ٣٩٤
٤۔ مزی، تهذيب الكمال، ٢٩: ٤٢٢

(٢) ١۔ خطيب بغدادی، تاريخ بغداد، ١٣: ٣٢٧
٢۔ نووی، تهذيب الأسماء واللغات، ٢: ٥٠٢
٣۔ ذهبی، سير أعلام النبلاء، ٦: ٣٩٥
٤۔ مزی، تهذيب الكمال، ٢٩: ٤٢٣

(٣) ١۔ خطيب بغدادی، تاريخ بغداد، ١٣: ٣٢٧
٢۔ صيمری، أخبار أبی حنيفة وأصحابه: ٢

کے بعد امام صاحب کے فارسی النسل ہونے کے بارے میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی کیونکہ گھر والوں نے خود گواہی دیدی ہے۔

ہم امامِ اعظم کے پوتے اسماعیل بن حماد کی بیان کردہ روایت کا اطلاق صحیح مسلم کی مذکورہ بالا حدیثِ مبارکہ پر کرتے ہیں۔ جب امام اسماعیلؒ بن حماد کی بیان کردہ روایت اور امام مسلم کی نقل کردہ حدیث کا موازنہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہی بشارت دی تھی۔

یہاں یہ بات خصوصاً قابلِ توجہ ہے کہ معروف ائمہِ فقہ میں سے صرف امامِ اعظم ابوحنیفہ وہ واحد شخص تھے جو اصلاً فارسی النسل تھے۔ جس وجہ سے امام مسلم کی روایت کردہ حدیثِ مبارکہ کے حقیقی مصداق امامِ اعظم ابوحنیفہ ہی بنتے ہیں۔

(۳) فقہاءِ ثلاثہ میں سے کوئی بھی فارسی النسل نہ تھا

فقہ کے باقی اَئمہ ثلاثہ میں سے کوئی ایک بھی اہلِ فارس میں سے نہ تھا۔ اس کی تفصیل درج ذیل حوالہ جات کے تحت کتبِ اسماء الرجال میں دیکھی جا سکتی ہے۔

۱۔ **امام مالک** رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت **مدینہ منورہ** میں ۹۳ھ میں ہوئی۔ ۲۲ روز مریض رہنے کے بعد آپ کا وصال ۸۶ سال کی عمر میں اتوار کے دن ماہِ ربیع الاول کو ۱۷۹ھ میں ہوا اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ (۱)

۲۔ **امام شافعی** رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۵۰ھ میں بیت المقدس کے علاقہ **عسقلان یا غزہ** میں ہوئی، دو سال کی عمر میں آپ مکہ لائے گئے پھر یہیں رہے۔ آپ کا وصال ۵۴ سال کی عمر میں جمعہ کی رات بعد نمازِ مغرب ۲۰۴ھ میں مصر میں ہوا۔ (۲)

(۱) ۱۔ ذهبي، سير أعلام النبلاء، ۸: ۴۸، ۱۳۰۔۱۳۲
۲۔ أيضاً، تذكرة الحفاظ، ۱: ۲۱۲۔۲۱۳

(۲) ۱۔ نووي، تهذيب الأسماء واللغات، ۱: ۶۸
۲۔ ابن مفلح، المقصد الأرشد في ذكر أصحاب الإمام أحمد، ۲: ۳۶۸۔۳۶۹

۳۔ **امام احمد بن حنبل** رحمۃ اللہ علیہ، والد اور والدہ دونوں کے اعتبار سے اصلاً عربی النسل ہیں۔ ان کے والدین عرب قبیلہ شیبان بن ذھل بن ثعلبہ کی اولاد سے نسبت رکھتے تھے۔ ان کے والدین مرو سے ہجرت کرکے بغداد تشریف لائے اور یہاں امام احمد بن حنبل کی ولادت ۲۰ ربیع الاول ۱۶۴ھ میں ہوئی۔ یہیں پروان چڑھے اور ۷۷ سال کی عمر میں کئی روز بیمار رہنے کے بعد آپ کا وصال ربیع الاول کے ۱۲ روز گزرنے کے بعد جمعہ کے دن بغداد میں ہی ۲۴۱ھ میں ہوا۔ (۱)

اس تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ درج بالا تینوں ائمہ فقہ میں سے کوئی ایک بھی فارسی النسل نہ تھا، فارسی النسل صرف امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہوئے۔

(۴) امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے حق میں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی دعا

امامِ اعظم کے دادا زوطی جن کا اسلامی نام نعمان تھا، مسلمان ہونے کے بعد جب وہ کوفہ میں منتقل ہوئے تو سیدنا مولا علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کے اصحاب یعنی اُن کے ہم نشین، ان کے پیروکاروں، عقیدت مندوں اور ارادت مندوں میں شامل ہوئے۔

آپ کے دادا حضرت نعمان بن مرزبان کے بارے میں کتبِ تاریخ میں ایک واقعہ آتا ہے۔ چونکہ وہ فارسی النسل تھے لہٰذا اُن کے ہاں نَو رَوز (۲) عید کے طور پر منایا جاتا تھا۔ جب نوروز آیا تو وہ مسرت و خوشی کا اظہار کرنے کے لیے فالودہ لے کر مولا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۱۔ امام صاحب کے پوتے اسماعیل بن حماد بیان کرتے ہیں:

والنعمان بن المرزبان أبو ثابت هو الذي أهدى لعلي بن أبي

(۱) ۱۔ مزی، تهذيب الكمال، ۱: ۴۳۷، ۴۴۵، ۴۶۵
۲۔ سیوطی، طبقات الحفاظ، ۱: ۱۸۹۔۱۹۱
(۲) اہلِ فارس کا قومی جشن

طالب الفالوذج في يوم النيروز، فقال: نَوْرُزُوْنا كل يوم.

وقيل: كان ذلك في المهرجان، فقال: مَهْرِجُونا كل يوم.(۱)

''نعمان بن مرزبان ابو ثابت وہ شخص ہیں جنہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں نوروز کے دن فالودہ پیش کیا تو آپ نے فرمایا: ہمارا نو روز ہر دن ہوتا ہے۔

''اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ مھرجان (میلہ) کا دن تھا تو آپ نے فرمایا: ہمارا مھرجان ہر روز ہوتا ہے۔''

اِس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ امامِ اعظم کے خاندان میں سب سے پہلے تابعیت کے منصب پر فائز ہونے والے اُن کے دادا حضرت نعمان تھے۔

امامِ اعظم کے دادا حضرت نعمان کے قیامِ کوفہ کے دوران ہی امام اعظم رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ثابت بن نعمان پیدا ہوئے۔ امامِ اعظم کے والد حضرت ثابت ابھی کم سن تھے کہ انہیں ان کے والد حضرت نعمان اپنے ساتھ لے کر سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اِن کے حق میں دعا کے لیے عرض کیا۔ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ ایک دو سال کے بچے کو کسی برگزیدہ ہستی کی خدمتِ اقدس میں لے جا کر دعا کے لیے پیش کیا جائے تو وہ دو سال یا تین سال کے بچے کی اولاد کے لیے بھی دعا فرمائیں کہ اے اللہ اس کو اور

(۱) ۱۔ خطيب بغدادي، تاريخ بغداد، ۱۳: ۳۲۷
۲۔ صيمري، أخبار أبي حنيفة وأصحابه: ۲
۳۔ مزي، تهذيب الكمال، ۲۹: ۴۲۳
۴۔ ذهبي، سير أعلام النبلاء، ۶: ۳۹۵
۵۔ سيوطي، تبييض الصحيفة: ۳۱
۶۔ صالحي، عقود الجمان: ۳۸
۷۔ ابن حجر هيتمي، الخيرات الحسان: ۳۰

اس کے ساتھ اس کی اولاد کو بھی برکت دے۔

اس واقعہ میں قابلِ توجہ بات (جس کو خطیب بغدادی سے لے کر امام صیمری، امام مزی، امام ذہبی اور امام سیوطی رحمھم اللہ تعالیٰ سمیت ہر محدّث اور مؤرخ نے بلا اختلاف لکھا) یہ ہے کہ جب حضرت نعمان نے اپنے بیٹے ثابت کو جو دو تین سال کے بچے تھے مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں دعا کے لیے پیش کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے نہ صرف ثابت بلکہ ان کی اولاد کے لیے بھی برکت کی دعا فرمائی۔

۲۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پوتے اسماعیلؒ بن حماد ہی سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

ذهب ثابت إلى علي بن أبي طالب وهو صغير، فدعا له بالبركة فيه وفي ذرّيته، ونحن نرجو من الله أن يكون قد استجاب الله ذلك لعلي بن أبي طالب فينا. (۱)

’’(میرے دادا امام ابوحنیفہ کے والد) ثابت جبکہ وہ چھوٹے سے تھے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے ثابت کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے دعا کی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ اس نے ہمارے حق میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی دعا قبول فرمائی ہے۔‘‘

(۱) ۱۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۳: ۳۲۷

۲۔ صیمری، أخبار أبي حنيفة وأصحابه: ۲

۳۔ مزی، تهذيب الكمال، ۲۹: ۴۲۳

۴۔ ذهبی، سير أعلام النبلاء، ۶: ۳۹۵

۵۔ سیوطی، تبييض الصحيفة بمناقب أبي حنيفة: ۳۱

۶۔ صالحی، عقود الجمان: ۳۷

۷۔ ابن حجر هيتمی، الخيرات الحسان: ۳۰

روایت کی شرح

اس روایت سے درج ذیل دو اہم امور ثابت ہوئے:

۱۔ سب سے پہلے یہ بات ثابت ہوئی کہ جب سیدنا مولا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے حضرت ثابت کے لیے دعا فرمائی تو نہ صرف ان کے لیے بلکہ اِس دعا میں آپ کی اولاد کو بھی شامل فرمایا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں امام صاحب کے غیر معمولی مرتبہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

۲۔ دوسری اہم بات جسے اسماعیل بن حماد نے یوں بیان کیا ''ونحن نرجو من الله أن يكون قد استجاب الله ذلک لعلي بن أبي طالب فينا'' (اور ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ اس نے ہمارے حق میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی دعا قبول فرمائی ہے۔) اپنے الفاظ میں انہوں نے اس حقیقتِ حال کو بیان کیا ہے کہ میرے دادا ابوحنیفہ کے امامِ اعظم ہونے اور شرق سے غرب تک ان کی فقہ کے رائج ومقبول ہونے میں اللہ پاک نے جو برکات عطا فرمائی ہیں دراصل سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی اسی دعا کا صدقہ ہے جو انہوں نے میرے پردادا ثابت کو دی۔

۴۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی بلند پایہ فَقاہت کا بیان

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی دعا کا ہی نتیجہ تھا کہ امامِ اعظم ابوحنیفہ آسمانِ علم وعمل پر تابندہ ستارہ بن کر جگمگا رہے ہیں۔ امامِ اعظم کی قرآن وحدیث میں بلند درجہ فقاہت کا جمیع ائمہ حدیث وفقہ نے اعتراف کیا ہے۔ محدّثین کی کثیر تعداد آپ کے فقہ الحدیث کی مدّاح ہے اور بہت سارے محدّثین حضرات اپنے شاگردوں اور پیروکاروں کو آپ کے فقہ الحدیث سے فیضیاب ہونے کا درس دیتے رہے۔ اس پر ذیل میں چند اَجَل اور اَوثق ائمہ حدیث کی تصریحات درج کی جاتی ہیں جن سے یہ حقیقت عیاں ہوجائے گی کہ امام صاحب کی بلند پایہ فقاہت پر سبھی ائمہِ حدیث متفق ہیں۔

۱۔ امام جریرؒ بن عبدالحمید سے روایت ہے کہ مجھ سے (امام شعبہؒ بن الحجاج اور امام سفیان ثوریؒ کے شیخ) امام مغیرہؒ بن مِقْسَم (متوفی ۱۳۶ھ) نے کہا:

جالِس أباحنيفة تفقه، فإن إبراهيم لو كان حيًا لجالسه. (۱)

''آپ امام ابوحنیفہ کے پاس بیٹھا کریں آپ کو دین کی سمجھ بوجھ حاصل ہوگی۔ اگر (محدّث اور فقیہِ اکبر) امام ابراہیم نخعی حیات ہوتے تو وہ بھی ان کے پاس بیٹھتے۔''

۲۔ کسی شخص نے امامِ اعظمؒ کے شیخ جبکہ حضرت ابووائل شقیقؒ بن سلمہ اور امام ابراہیم نخعیؒ کے تلمیذ محدّثِ اکبر امام سلیمان بن مہران اعمشؒ (متوفی ۱۴۷ھ) سے کوئی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

إنما يحسن الجواب في هذا و مثله النعمان بن ثابت الخزَّاز، أُراه بورك له في علمه. (۲)

''اس کا اور اس جیسے دیگر سوالات کا جواب نعمان بن ثابت خزاز خوب جانتے ہیں، مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اُن کے علم میں برکت دی گئی ہے۔''

۳۔ ایک مرتبہ امام اعمش سے کچھ مسائل پوچھے گئے اور اس محفل میں امامِ اعظم بھی موجود تھے تو انہوں نے امامِ اعظم کی طرف رجوع کیا۔ پس آپ نے تمام مسائل کا جواب دے دیا۔ امام اعمش نے دلیل طلب کی تو آپ نے وہی احادیث و روایات جو خود انہی (امام اعمش) سے مروی تھیں دلیل کے طور پر پیش کر دیں۔ اس استنباط پر امام اعمش حیران رہ گئے اور امامِ اعظم کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا:

---

(۱) ذهبي، مناقب الإمام أبي حنيفة وصاحبيه: ۱۸

(۲) ۱۔ ابن عبد البر، الانتقاء في فضائل الأئمة الثلاثة الفقهاء: ۱۹۶

۲۔ ذهبي، سير أعلام النبلاء، ۶: ۴۰۳

۳۔ ابن حجر مكي، الخيرات الحسان: ۴۸

أنتم يا معشر الفقهاء! الأطباء، ونحن الصيادلة.(۱)

’’اے گروہِ فقہاء آپ طبیب ہیں اور ہم (محدّثین) صاحبانِ ادویات ہیں۔‘‘

مراد یہ ہے کہ جس طرح ایک میڈیکل اسٹور میں ہر قسم کی دوائیاں تو موجود ہوتی ہیں اور اسٹور چلانے والے دوا فروش کو ان کے نام اور دیگر معلومات کا علم ہوتا ہے مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ کس مریض کو کون سی دوا تجویز کرنی ہے؟ کتنی مقدار میں دینی ہے؟ یہ کام صرف ڈاکٹر کا ہوتا ہے۔ اسی طرح محدّثین کے پاس احادیث کا ذخیرہ تو ہوتا ہے مگر ان سے احکام کا استنباط و استخراج ایک فقیہ ہی کرسکتا ہے۔

۴۔ یہی وجہ تھی کہ امام اَعمشؒ سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو آپ فرماتے:

عليكم بتلك الحلقة! يعني حلقة أبي حنيفة.(۲)

’’لوگو تم ابوحنیفہ کی مجلس میں ضرور جایا کرو۔‘‘

امام اَعمش کا علم الحدیث میں بہت بلند رتبہ ہے لیکن ان کے اس قول سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ وہ فقیہِ اَعظم امام ابوحنیفہ کے ہوتے ہوئے خود فتویٰ دینے سے گریز کرتے تھے۔

۵۔ صاحبِ مصنف امام عبدالرزاق بن ھمامؒ کے شیخ اور حضرت نافع مولیٰ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے تلمیذ محدّثِ کبیر امام عبدالملک بن عبدالعزیز المعروف ابنِ جریجؒ (متوفی ۱۵۰ھ) کے درس میں ایک دفعہ امام ابوحنیفہ کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا:

(۱) ۱۔ ابن حبان، الثقات، ۸:۴۶۷، رقم: ۱۴۴۶۵
۲۔ صیداوی، معجم الشیوخ، ۱: ۸۰
۳۔ صیمری، أخبار أبي حنيفة وأصحابه: ۱۳
۴۔ ابن عدی، الکامل، ۷: ۷
(۲) صیمری، أخبار أبي حنيفة وأصحابه: ۷۰

اسكتوا، إنه لفقيه، إنه لفقيه، إنه لفقيه. (١)

''خاموش ہو جاؤ، بے شک وہ فقیہ ہیں، وہ فقیہ ہیں، وہ فقیہ ہیں۔''

٦۔ شیخ البخاری امام ابونعیم فضل بن دُکَین کے شیخ اور امام مُحارِب بن دِثارؒ کے تلمیذ عظیم محدّث امام مِسْعَر بن کِدام (۱۵۳ھ)، امامِ اعظم کی بلند پایہ فقہی بصیرت پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

ما أحسد أحدًا بالكوفة إلا رجلين: أبوحنيفة في فقهه، والحَسَن بن صالِح في زهده. (٢)

''مجھے کوفہ میں سوائے دو اشخاص کے کسی پر بھی رشک نہیں آیا: ابوحنیفہ پر ان کے فقہ میں بلند درجہ کے باعث اور حسن بن صالح پر زہد میں ان کے مقام کے باعث۔''

٧۔ محدّثِ کبیر امام سفیانؒ بن عیینہ بیان کرتے ہیں کہ میں (امام یزیدؒ بن زُرَیع کے شیخ اور حضرت قتادہ بن دِعامہ بصریؒ کے تلمیذِ رشید) امام سعیدؒ بن ابی عروبہ (متوفی ۱۵۶ھ) کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے کہا:

يا أبا محمد! ما رأيت مثل هدايا تأتينا من بلدك من أبي حنيفة. وددت أن الله أخرج العلم الذى معه إلى قلوب المؤمنين، فلقد فتح الله لهذا الرجل فى الفقه شيئا كأنه خلق له. (٣)

(١) صالحی، عقود الجمان فی مناقب الإمام الأعظم النعمان: ١٩٣

(٢) ١۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ١٣: ٣٣٨

٢۔ نووی، تهذيب الأسماء واللغات، ٢: ٥٠٤

(٣) ١۔ صیمری، أخبار أبی حنيفة وأصحابه: ٧٥

٢۔ صالحی، عقود الجمان فی مناقب الإمام الأعظم النعمان: ٢٠٤

’’ابو محمد! میں نے ایسے علمی تحائف کو اس سے قبل نہیں دیکھا جو ہمارے پاس آپ کے شہر (کوفہ) سے ابو حنیفہ کی طرف سے آ رہے ہیں۔ میری دلی خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ ابو حنیفہ کے علمی فیض کو مؤمنین کے قلوب میں منتقل فرما دے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لیے فقہ کے دَر اس طرح کھول دیئے ہیں کہ گویا وہ اسی کام کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔‘‘

۸۔ ملا علی قاریؒ نے امام اعظم رضی اللہ عنہ اور امام عبدالرحمٰن بن عمرو المعروف اَوزاعیؒ (متوفی ۱۵۷ھ) کی ایک ملاقات نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک بار امام اوزاعیؒ نے امام صاحب سے چند مسائل پوچھے اور آپ کے ساتھ دلائل سے بحث بھی کی، آپ نے سب کے جوابات بحسن وخوبی دے دیئے تو امام اوزاعی نے کہا: آپ نے یہ جواب کس دلیل سے اخذ کیے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

من الأحاديث التي رويتموها، ومن الأخبار والآثار التي نقلتموها، وبيّن له وجه دلالاتها وطريق استنباطاتها فأنصف الأوزاعي ولم يتعسف، فقال: نحن العطّارون وأنتم الأطبّاء.(۱)

’’اُن احادیث سے جو آپ نے روایت کی ہیں اور اُن اَخبار و آثار سے جو آپ نے نقل کیے ہیں، پھر امام صاحب نے انہیں احادیث و آثار سے استدلال اور استنباط کے طریقے بیان کیے تو امام اوزاعی نے اعترافِ حق کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: ہم صرف ادویات بیچنے والے ہیں اور آپ لوگ طبیب ہیں۔‘‘

امام اوزاعیؒ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ ہم محدّثین کو احادیث تو یاد ہیں مگر یہ نہیں معلوم کہ اِن سے مسائل کس طرح اخذ کیے جاتے ہیں؟ جیسے دوا فروشوں (Druggists) کے پاس قسم قسم کی دوائیں تو موجود ہوتی ہیں مگر ان کو یہ معلوم نہیں ہوتا

(۱) ملا علی قاری، مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ۱: ۲۷

کہ کس بیماری میں کون سی دوا مفید ہے؟ یہ صرف اطباء ہی جانتے ہیں۔ امام اوزاعی جیسے محدّث اور إمام أهلِ زَمانِه کے جملہ پر غور کیا جائے تو امام صاحب کا علمِ حدیث و فقہ میں عظیم ترین رتبہ خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔

۹۔ امیر المؤمنین فی الحدیث امام سفیان ثوریؒ (متوفی ۱۶۱ھ) کی زبانی امامِ اعظم کی فقاہت کا حال سنیے۔ امام محمد بن بشر بیان کرتے ہیں:

كنت أختلف إلى أبي حنيفة وإلى سُفْيَان. فآتي أبا حنيفة فيقول لي: من أين جئت؟ فأقول: من عند سُفيَان. فيقول: لقد جئت من عند رجل لو أن عَلْقَمَة والأسْوَد حضرا لاحتاجا إلى مثله، فآتي سُفْيَان، فيقول لي: من أين؟ فأقول: من عند أبي حنيفة. فيقول: لقد جئت من عند أفقه أهل الأرض.(۱)

''میں سفیان ثوری اور ابو حنیفہ کے پاس آتا جاتا تھا۔ جب میں ابو حنیفہ کے پاس آتا تو وہ پوچھتے: کہاں سے آئے ہو؟ میں عرض کرتا: سفیان ثوری کے پاس سے آیا ہوں۔ یہ سن کر فرماتے: آپ ایسے آدمی کے پاس سے آئے ہیں کہ اگر حضرت علقمہ اور اسود بھی موجود ہوتے تو یقیناً ان کے علم کے محتاج ہوتے۔ پھر جب میں سفیان ثوری کے پاس آتا تو وہ پوچھتے: کہاں سے آئے ہو؟ میں عرض کرتا: ابو حنیفہ کے پاس سے، تو وہ فرماتے: بے شک آپ روئے زمین پر سب سے بڑے فقیہ کے پاس سے ہو کر آئے ہیں۔''

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے پڑپوتے محدّث و فقیہ قاسمؒ بن معن بن عبدالرحمٰن (متوفی ۱۷۵ھ)، امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے درس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ ایک روز

(۱) ۱۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۳: ۳۴۴

۲۔ صالحی، عقود الجمان فی مناقب الإمام الأعظم النعمان: ۱۹۰

کسی شخص نے ان سے کہا کہ آپ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہو کر ابوحنیفہ کی غلامی کو پسند کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

ما جلس الناس إلی أحد أنفع مجالسة من أبي حنیفة.(۱)

''امام ابوحنیفہ کی مجلس سے زیادہ نفع بخش کوئی اور جگہ نہیں جہاں پر لوگ بیٹھتے ہوں۔''

۱۱۔ امام شافعیؒ نے فقہ مالکیہ کے بانی امام مالکؒ (متوفی۱۷۹ھ) سے پوچھا: کیا آپ نے امام ابوحنیفہ کو دیکھا ہے؟ انہوں نے امامِ اعظمؓ کی قوتِ استدلال کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا:

نعم، رأیت رجلًا لو کلّمک فی هذه السّاریة أن یجعلها ذهباً لقام بحجّته.(۲)

''جی ہاں! میں نے اس شخص کو ایسا دیکھا ہے، اگر وہ آپ کے ساتھ اس ستون کو سونے کا بھی ثابت کرنے پر کلام کرتے تو اس پر حجت قائم کر دیتے۔''

۱۲۔ شیخ البخاری امام عَبدان بن عثمانؒ کے شیخ اور امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے شاگرد امام عبداللہ بن مبارک (متوفی۱۸۱ھ) نے امام مسعر بن کدام کا امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے استفادہ کرنے اور آپ کی شانِ فقاہت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

رأیت مسعرا في حلقة أبي حنیفة جالسًا بین یدیه، یسأله ویستفید

---

(۱) صیمری، اخبار ابی حنیفة وأصحابه: ۷۶

(۲) ۱۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۳: ۳۳۸

۲۔ مزی، تهذیب الکمال، ۲۹: ۴۲۹

۳۔ ابن حجر مکی، الخیرات الحسان: ۱۲

منه، وما رأيت أحدًا قط تكلّم في الفقه أحسن من أبي حنيفة.(۱)

’’میں نے مسعر بن کدام کو امام ابوحنیفہ کے حلقۂ درس میں بیٹھا ہوا دیکھا، وہ آپ سے سوال کرتے اور استفادہ کرتے، (ابنِ مبارک ہی فرماتے ہیں) میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو فقہ میں امامِ اعظم ابوحنیفہ سے بڑھ کر حسین کلام کرتا ہو۔‘‘

۱۳۔ امام عبداللہ بن مبارک ہی امامِ اعظم کے تفقہ فی الدین، فہم اور مسائل میں دقتِ نظر کا تقابل دو اجل ائمہ کرام کے ساتھ اس طرح کراتے ہیں:

إن كان الأثر قد عرف احتيج إلى الرأي، فرأي مالك وسفيان وأبي حنيفة، وأبوحنيفة أحسنهم وأدقّهم فطنة وأغوصهم على الفقه، وهو أفقه الثّلاثة.(۲)

’’اگر کوئی معروف اثر ہو جس میں رائے کی ضرورت ہو تو امام مالک، امام سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ کی آراء کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اور پھر امام ابوحنیفہ ان سب سے زیادہ اچھے ہیں، باریک بینی میں ان سب سے زیادہ ذہین ہیں اور فقہ میں سب سے زیادہ غور وخوض کرنے والے ہیں، اور وہ اِن تینوں میں سب سے بہتر مسائل کو سمجھنے والے ہیں۔‘‘

فقہ مالکیہ کے بانی امام مالکؒ بن انس اور امام سفیان ثوریؒ، تفقہ فی الدین اور مسائل میں غور وخوض کے لحاظ سے بڑے اونچے درجے پر فائز تھے لیکن جو فہم اور تدبر اللہ

(۱) ۱۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۳: ۳۴۳
۲۔ نووی، تهذيب الأسماء واللغات، ۲: ۵۰۴
(۲) ۱۔ صیمری، أخبار أبي حنيفة وأصحابه: ۷۷
۲۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۳: ۳۴۳
۳۔ ابن حجر مکی، الخيرات الحسان: ۴۵

تعالیٰ نے امامِ اعظم کو عطا کیا تھا وہ کسی اور کو نصیب نہیں ہوا جیسا کہ امام عبداللہ بن مبارکؒ کے درج بالا قول سے عیاں ہے۔

۱۴۔ شیخ البخاری امام یحییٰ بن یوسفؒ کے شیخ اور امام عبدالعزیز بن رُفَیعؒ کے شاگرد امام ابوبکرؒ بن عَیَّاش (متوفی ۱۹۳ھ) فرماتے ہیں:

كان النعمان بن ثابت أفقه أهل زمانه.(۱)

''امام ابوحنیفہ النعمان بن ثابت اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔''

۱۵۔ محدّثِ کبیر امام وکیعؒ بن الجراح (متوفی ۱۹۶ھ) صحاحِ ستّہ کے معروف راوی اور امامِ اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں۔ وہ آپ کی شانِ فقاہت یوں بیان فرماتے ہیں:

ما لقيت أحداً أفقه من أبي حنيفة ولا أحسن صلاة منه.(۲)

''میں نے امام ابو حنیفہ سے زیادہ فقیہ اور ان سے اچھی نماز پڑھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔''

۱۶۔ امام وکیعؒ بن الجراح کی مجلس میں ایک روز ایسی حدیث پیش ہوئی جس کا مضمون بڑے غور و خوض کا متقاضی تھا۔ اس پر امام وکیع کھڑے ہو گئے اور ٹھنڈی سانس بھر کر کہا:

لا تنفع الندامة، أين الشيخ؟ فيفرج عنا.(۳)

''ندامت سے کچھ فائدہ نہیں، وہ شیخ (یعنی ابوحنیفہ) کہاں ہیں؟ جو ہمیں اِس مشکل سے نکالتے۔''

www.MinhajBooks.com

(۱) ذهبی، مناقب الإمام أبي حنيفة وصاحبيه: ۱۸

(۲) ۱۔ خطيب بغدادی، تاريخ بغداد، ۱۳: ۳۴۵

۲۔ صالحی، عقود الجمان فی مناقب الإمام الأعظم النعمان: ۱۹۹

(۳) ابن بزاز کردری، مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة، ۱: ۹۷

۱۷۔ امام وکیع اپنے پاس موجود محدّثین حضرات سے کہا کرتے تھے:

’’اے گروہِ محدّثین! تم حدیثیں طلب کرتے ہو اور اُن کے معانی سے واقفیت حاصل نہیں کرتے۔ اسی میں تمہاری عمر اور دین ضائع ہو جائے گا حالاں کہ

وددت أن يجتمع لي عشر فقه أبي حنيفة.(۱)

’’میری آرزو ہے کہ کاش امام ابوحنیفہ کی فقہ کا دسواں حصہ ہی مجھے نصیب ہو جائے۔‘‘

۱۸۔ ایک روز انہوں نے لوگوں سے مخاطب ہوکر واشگاف الفاظ میں فقہ اور امامِ اعظم کے اصحاب کا یوں ذکر کیا:

يا أيها الناس! لا ينفعكم سماع الحديث بلا فقه، ولا تفقهون حتى تجالسوا أصحاب أبي حنيفة فيفسروا لكم أقاويله.(۲)

’’لوگو! فقہ کے بغیر حدیث سننا تمہیں کچھ نفع نہیں دے گا، اور تم کو حدیث کی فقہ اور بصیرت اس وقت تک حاصل نہیں ہوگی جب تک کہ تم امام ابوحنیفہ کے شاگردوں کی مجالست اختیار نہ کرلو تاکہ وہ تمہیں حدیث کی تفسیر کرکے بتائیں۔‘‘

۱۹۔ امام احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ اور امام ابوداؤدؒ کے شیخ امام علی بن مدینیؒ کے شیخ اور امام ابنِ شہاب الزھریؒ اور امام عمرو بن دینار المکیؒ کے تلمیذِ خاص محدّثِ کبیر امام سفیانؒ بن عیینہ (متوفی ۱۹۸ھ)، امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی فقاہت کو یوں بیان کرتے ہیں:

من أراد المغازي فالمدينة، ومن أراد المناسك فمكة، ومن أراد الفقه فالكوفة ويلزم أصحاب أبي حنيفة.(۳)

(۱) کردری، مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة، ۱: ۹۷

(۲) کردری، مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة، ۱: ۹۷

(۳) صمیری، أخبار أبي حنيفة وأصحابه: ۷۵

’’جو شخص علمِ مغازی کو جاننا چاہے وہ مدینہ منورہ کا رخ کرے، جو مناسکِ حج سیکھنا چاہے وہ مکہ مکرمہ کی راہ لے اور جو دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنا چاہتا ہو وہ کوفہ جا کر اصحابِ ابو حنیفہ کے حلقہ ہائے درس میں بیٹھے۔‘‘

۲۰۔ ائمہِ صحاحِ ستّہ کے شیخ امام محمد بن المثنیٰؒ کے شیخ اور امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے تلمیذ حدیث میں حافظ اور حجت کے درجہ پر فائز، علمِ اسماء الرجال کے بلند پایہ عالم امام یحییٰ بن سعید قطّان بصریؒ، امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی بصیرتِ علمی پر یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

لانكذب الله، ماسمعنا أحسن من رأي أبي حنيفة، ولقد أخذنا بأكثر أقواله. (۱)

’’قسم بخدا! ہم نے (کسی بھی مسئلہ پر) ابوحنیفہ سے زیادہ بہتر رائے کسی کی نہیں سنی اور ہم نے اُن کے کافی اقوال لیے ہیں۔‘‘

۲۱۔ فقہ شافعیہ کے بانی امام شافعیؒ (متوفی ۲۰۴ھ) نے امامِ اعظمؒ کے تفقّہ فی الدین اور فہم کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا:

من أراد أن يعرف الفقه، فليلزم أبا حنيفة وأصحابه فإن الناس كلهم عيال عليه في الفقه. (۲)

’’جو شخص فقہ کی معرفت حاصل کرنا چاہے وہ امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کی صحبت لازمی اختیار کرے کیونکہ تمام لوگ فقہ میں امام صاحب کے عیال ہیں۔‘‘

(۱) ۱۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۳: ۳۴۵
۲۔ مزی، تهذيب الكمال، ۲۹: ۴۳۳
۳۔ ذهبی، سير أعلام النبلاء، ۶: ۴۰۲
۴۔ سيوطی، تبييض الصحيفة بمناقب أبي حنيفة: ۱۰۵

(۲) ۱۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۳: ۳۴۶
۲۔ ذهبی، سير أعلام النبلاء، ۶: ۴۰۳

امام شافعیؒ خود بھی مجتہد ہیں، سینکڑوں محدّثین اور فقہاء کے شیخ ہیں۔ حدیث اور فقہ میں انتہائی بلند مقام رکھتے ہیں۔ اُن کی نظر میں بھی امامِ اعظم سے بڑھ کر اصول الدین اور فقہ میں کوئی بھی ان سے آگے نہیں بلکہ انہوں نے واشگاف الفاظ میں اس حقیقت کا بجا طور پر اعتراف کیا ہے کہ جس کسی کو فقہِ قرآن و حدیث میں جو بھی میسر آئے گا وہ امام ابو حنیفہ کا فیضان ہوگا۔

امام شافعیؒ کا یہ صرف قول نہیں بلکہ آپ نے عملاً اس چشمہ فیض سے علمی نسبت قائم فرمائی اور مدینہ طیبہ میں امام مالک سے علم الحدیث سیکھنے کے بعد ان کی اجازت سے کوفہ تشریف لائے اور وہاں امام صاحب کے تلمیذِ رشید امام محمد سے فقہ میں شاگردی اختیار کی جس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

۲۲۔ امام احمد بن حنبلؒ کے شیخ اور امامِ اعظمؓ کے تلمیذ امام یزیدؒ بن ہارون (متوفی ۲۰۶ھ) کی نگاہ میں امام صاحب کی فقاہت کا حال پڑھیے۔ امام حسن بن حماد سَجّادہ (۲۴۱ھ) بیان کرتے ہیں:

دخلت أنا وأبو مسلم المستملی علی یزید بن هارون وهو نازل ببغداد علی منصور بن مهدی، فصعدنا إلی غرفة هو فیها، فقال له أبو مسلم: ما تقول یا أبا خالد فی أبی حنیفة والنظر فی کتبه؟ فقال: انظروا فیها إن کنتم تریدون أن تفقهوا فإنی ما رأیت أحدًا من الفقهاء یکره النظر فی قوله، ولقد احتال الثوری فی کتاب الرهن حتی نسخه. [1]

’’میں اور ابومسلم المستملی، یزید بن ہارون سے ملنے گئے جو بغداد میں خلیفہ منصور بن مہدی کے ہاں مہمان تھے، ہم اوپر کی منزل میں ان کے کمرے میں گئے تو

(۱) صیمری، أخبار أبی حنیفة وأصحابه: ۶۵

ابومسلم نے ان سے پوچھا: ابوخالد! آپ ابوحنیفہ اور ان کی کتب کے بارے کیا رائے رکھتے ہیں؟ یزید بن ہارون نے فرمایا: اگر تم فقہ میں مہارت حاصل کرنا چاہتے ہو تو اُن کی کتب میں غور وفکر کیا کرو کیونکہ میں نے فقہاء میں سے کسی ایک کو بھی نہیں دیکھا جو امام ابوحنیفہ کے علمی اقوال میں غور وفکر کرنے کو ناپسند کرتا ہو۔ امام سفیان ثوری ان کی کتاب الرہن میں ایک سال تک غور وفکر کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے اسے نقل کر لیا۔‘‘

۲۳۔ ایک اور واقعہ امام یزیدؒ بن ہارون کا ہی مروی ہے جسے تمیم بن المنتصر نے بیان کیا ہے، فرماتے ہیں:

كنت عند يزيد بن هارون فذكر أبو حنيفة فنال منه إنسان، فأطرق طويلا، فقالوا: رحمك الله حدثنا! فقال: كان أبو حنيفة تقيًا نقيًا زاهدًا عالمًا، صدوق اللسان، أحفظ أهل زمانه، سمعت كل من أدركته من أهل زمانه يقول إنه ما رأى أفقه منه. (۱)

’’میں یزید بن ہارون کے پاس موجود تھا وہاں امام ابوحنیفہ کا ذکرِ خیر ہوا جس پر ایک آدمی نے ان کی شان میں گستاخی کی، یزید بن ہارون دیر تک گردن جھکائے (غصّے سے) خاموش بیٹھے رہے۔ لوگوں نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے ہمیں معاملے کی حقیقت سے آگاہ فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: امام ابوحنیفہ متقی تھے، پاکیزہ شخصیت کے مالک تھے، دنیا کی حرص سے بے نیاز تھے، اجل عالم تھے، صدوق اللسان تھے، اپنے زمانہ میں سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔ میں نے ان کے ہم عصروں میں سے جس کو بھی پایا سب کو یہی کہتے ہوئے سنا کہ اس نے ابوحنیفہ سے بڑھ کر کسی کو فقیہ نہیں دیکھا۔‘‘

(۱) صالحي، عقود الجمان في مناقب الإمام الأعظم النعمان: ۱۹۴

۲۴۔ امامِ اعظم کے شاگرد اور امام بخاری کے شیخ ابوعاصم ضحاک بن مخلد النبیلؒ (متوفی ۲۱۲ھ) سے امامِ اعظم کی فقاہت کا حال سنیے۔ امام ابوعاصم، امام بخاری کے ان پانچ شیوخ میں سے ایک ہیں جن سے امام بخاری نے **۲۲ ثلاثیات** روایت **کی ہیں**۔ امام ابوعاصم سے **چھ ثلاثیات** مروی ہیں۔ چنانچہ امام ضرار بن صرد بیان کرتے ہیں:

سألت أباعَاصِم النبيل فقلت: أيّما أفقه، سُفيَان أو أبو حنيفة؟ قال: غلام من غلمان أبي حنيفة أفقه من سُفيَان.(۱)

''میں نے ابوعاصم النبیل سے پوچھا کہ سب سے زیادہ فقیہ کون ہے ابوحنیفہ یا سفیان؟ انہوں نے فرمایا: ابوحنیفہ کے شاگردوں میں عام سا شاگرد بھی سفیان ثوری سے زیادہ فقیہ ہے۔''

۲۵۔ امام ابوعاصم ضحاک بن مخلد النبیلؒ سے ہی ایک اور طریق سے یہی روایت درج ذیل الفاظ میں مروی ہے جسے امام حسن بن علی حُلْوانی بیان کرتے ہیں:

قلت لأبي عَاصِم يعني النبيل: أبو حنيفة أفقه أو سُفيَان؟ قال: عَبْد أبي حنيفة أفقه من سُفيَان.(۲)

''میں نے ابوعاصم النبیل سے پوچھا کہ ابوحنیفہ زیادہ فقیہ ہیں یا سفیان ثوری؟ انہوں نے فرمایا: امام ابوحنیفہ کا غلام بھی سفیان ثوری سے زیادہ فقیہ ہے۔''

۲۶۔ امام بخاریؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے شیخ امام ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن یزید المقریؒ (۲۱۳ھ) نے امامِ اعظم کے بارے میں فرمایا:

ما رأيت أسود رأس أفقه من أبي حنيفة.(۳)

(۱) خطيب بغدادی، تاريخ بغداد، ۱۳: ۳۴۲

(۲) خطيب بغدادی، تاريخ بغداد، ۱۳: ۳۴۲

(۳) خطيب بغدادی، تاريخ بغداد، ۱۳: ۳۴۵

’’میں نے کسی ایک نوجوان کو بھی امام ابوحنیفہ سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔‘‘

۲۷۔ امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور امام ابوداؤدؒ کے شیخ جبکہ امام سفیانؒ بن عیینہ اور امام عبدالرزاق بن ہمامؒ کے تلمیذ سید المحدّثین امام یحییٰ بن معین (متوفی ۲۳۳ھ) فرماتے ہیں:

القراءة عندي قراءة حمزة، والفقه فقه أبي حنيفة، على هذا أدركت الناس. (۱)

’’میرے نزدیک حمزہ کی قرأت اور ابوحنیفہ کی فقہ معتبر و پسندیدہ ہے۔ میں نے تمام لوگوں کو اسی پر کاربند پایا ہے۔‘‘

اکابر محدّثینِ کرام مُغیرہ بن مِقسَم، سلیمان بن مہران اَعمش، ابنِ جریج، مِسْعَر بن کِدام، سعید بن ابی عروبہ، سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، ابو بکر بن عَیَّاش، وکیع بن الجراح، سفیان بن عیینہ، عبدالرحمٰن بن عمرو اَوزاعی، یحییٰ بن سعید قطان، یزید بن ہارون، ابوعاصم ضحاک بن مخلد، عبداللہ بن یزید المقرئ، یحییٰ بن معین اور اکابر فقہاء، قاسم بن معن بن عبدالرحمٰن، مالک بن انس اور محمد بن ادریس شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ان تمام رِوایات سے ثابت ہوا کہ ان سب محدّثین اور فقہاء نے امامِ اعظم کی بلند درجہ فقاہت کا اعتراف کیا ہے۔ اِن تمام اکابر ائمہ حدیث و فقہ کے اقوال و احوال سے ثابت ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ ’’**امامِ اعظم فی الفقہ**‘‘ (فقہ میں سب سے بڑے امام) کے رتبہ پر فائز ہیں جس میں آپ کا کوئی ثانی نہیں۔

امامِ اعظم کے درج بالا احوال کو بنظرِ غائر دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ امام صاحب سے کم علم و کم فہم لوگ مسائل پوچھنے نہیں آتے تھے بلکہ اس دور کے بے شمار

(۱) ۱۔ صیمری، أخبار أبي حنيفة وأصحابه: ۸۰
۲۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۳: ۳۴۶
۳۔ صالحی، عقود الجمان فی مناقب الإمام الأعظم النعمان: ۲۰۰
۴۔ ابن حجر مکی، الخیرات الحسان: ۴۸

صدوق، صالح، ثقہ، ثبت، اَصدق، اَوثق اور اَثبت و اکابر محدّثین آپ سے استفسار اور استفتاء کے لیے حاضر ہوتے تھے جن میں سے چند ایک کے نام ہم اوپر درج کر چکے ہیں۔ وہ سب محدّثین آپ کے تفقہ فی الدین، فقہی بصیرت اور آپ کی فقاہتِ حدیث کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ ائمہِ حدیث کے یہ سارے احوال و وقائع بغیر کسی مبالغہ کے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ امام صاحب کے پاس احادیث کا وافر ذخیرہ تھا تب ہی تو آپ سے استفادہ کرنے والے کسی بھی محدّث نے آپ کی طرف کبھی بھی انگشتِ اعتراض بلند نہیں کی۔ جس طرح قرآن و حدیث پر گہری نظر رکھے بغیر صرف ذہانت اور فقہی بصیرت سے ہی دینی مسائل کا حل تلاش کرنا ناممکن ہے۔ اسی طرح بغیر فقاہت و فقہی بصیرت اور دقتِ نظر کے، قرآن و حدیث کے ہزارہا متون اَزبر ہونے کے باوجود فہمِ قرآن اور فہمِ حدیث کی مشکل گھاٹی سے گزرنا، مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔

ہم نے گذشتہ صفحات میں محدّثینِ کرام کے احوال رقم کیے ہیں جن میں سے ہر ایک ہزارہا احادیث کا حافظ تھا مگر مسائل معلوم کرنے کے لیے وہ سب امامِ اعظم کی طرف رجوع کرتے۔ یہ بات امام صاحب کے کثیر الاحادیث ہونے کی طرف واضح اشارہ ہے اور اس کے علاوہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ احادیث جمع کرنا اور انہیں روایت کرنا ایک جہتِ علم ہے جبکہ ان احادیث سے مسائل کا استنباط واجتہاد ایک الگ جہتِ علم ہے جو جمع و روایت سے یقیناً بہت ممتاز ہے۔ آئندہ ابواب میں ہم اِن شاء اللہ تعالیٰ اسی حوالے سے وضاحت کریں گے۔

www.MinhajBooks.com

باب دوم

فہمِ قرآن و حدیث کے لیے فقہ کی ناگزیریت

www.MinhajBooks.com

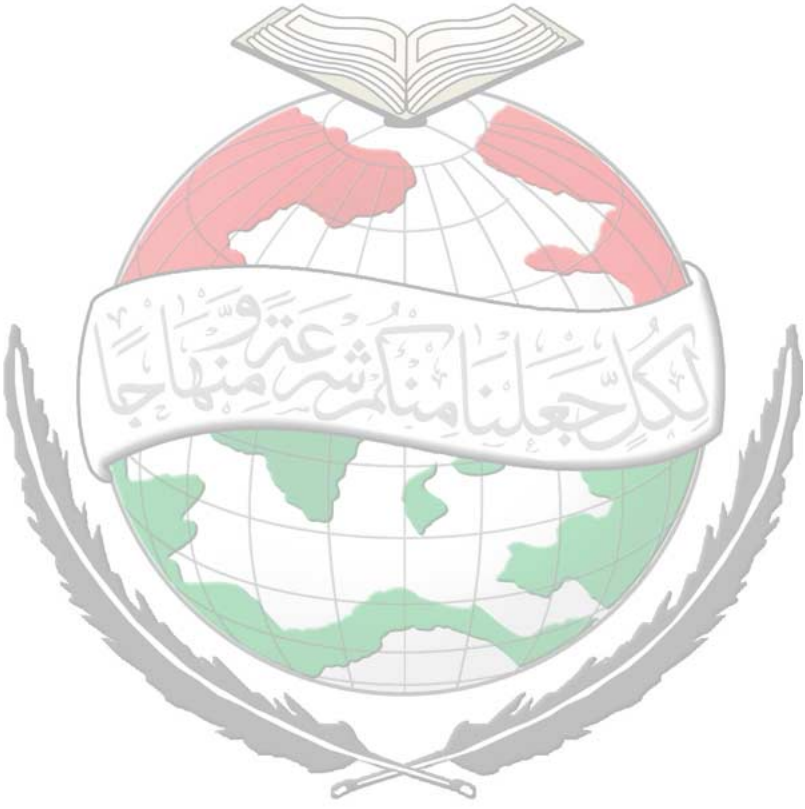

www.MinhajBooks.com

پچھلے باب میں درج کیا جا چکا ہے کہ امامِ اعظم کے دور میں موجود کُل محدّثین مسائل کے حل اور نصوص کے فہم میں امام صاحب کی بلند پایہ فقہی بصیرت کا اقرار کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ پوری امتِ مسلمہ میں متفقہ طور پر امام ابوحنیفہ ''امامِ اعظم فی الفقہ'' کے لقب سے مشہور و معروف ہوئے۔ اس فن میں ان کی مہارتِ تامہ اور خصوصی امتیاز کے باعث ایک بہت بڑا شبہ جو پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ شاید ''فقہ'' قرآن وحدیث کے متعارض ومخالف کسی علم کا نام ہے جس کو صرف امام صاحب نے ہی وجود بخشا۔ زیرِ نظر کتاب کا یہ باب اسی اعتراض واشتباہ کی بیخ کنی اور فہمِ قرآن وحدیث میں فقہ کی حیثیت واہمیت کو واضح کرنے کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ 'فقہ' قرآن وحدیث سے علیحدہ کوئی علم نہیں ہے بلکہ 'فقہ' قرآن وحدیث کے فہم اور اس پر عمل کرنے کی اساس فراہم کرتا ہے۔ قرآن وحدیث میں موجود علوم ومعارف کے خزانوں سے کسی چیز کے اخذ و استنباط کی صلاحیت کو ہی 'فقہ القرآن والحدیث' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرآن وحدیث میں ایسے بے شمار اصول، قواعد اور امور پنہاں ہیں جن کی تہہ تک رسائی حاصل کرنے کے بعد ہی احکام کا استخراج اور مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے، جس کے لیے 'فقہ' میں مہارت ناگزیر ہے۔ امام ابوحنیفہ کو قرآن وحدیث کے اِن تمام قواعد وضوابط پر بے پناہ دسترس حاصل تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ نے قرآن وحدیث کے فہم میں کمال درجہ 'فقاہت' حاصل کی۔

www.MinhajBooks.com

باب ہٰذا میں سب سے پہلے ہم تعلیماتِ قرآن و حدیث کی جامعیت و ہمہ گیریت اور علم الفقہ کی تدوین وتخصیص پر روشنی ڈالیں گے۔

ا۔ جامعیتِ قرآن و حدیث کے عملی مظاہر

یہ جامعیتِ قرآن وحدیث کے نہایت وقیع اور عملی نظائر ہی تو ہیں کہ قرآن وحدیث اپنی تعلیمات کے اعتبار سے انسان کی نجی زندگی کی فکری وعملی ضروریات سے لے کر اس کی عالمی زندگی تک کے جملہ معاملات پر حاوی ہے۔ حیاتِ انسانی کا مذہبی و اعتقادی پہلو ہو یا علمی وفکری، اخلاقی و روحانی پہلو ہو یا مادی وجسمانی، عائلی و خاندانی پہلو ہو یا سماجی و معاشرتی، سیاسی وثقافتی پہلو ہو یا سائنسی ومعاشی، حکومت وسلطنت کی تاسیس ہو یا اداروں کی تشکیل، مختلف طبقاتِ انسانی کے نزاعات و معاہدات ہوں یا اقوامِ عالم کے باہمی تعلقات، صنعت وحرفت ہو یا تجارت، الغرض قرآن و حدیث کے احکام وتعلیمات اس قدر جامع ہیں کہ ہر مسئلے میں اِن سے اصولی رہنمائی میسّر آتی ہے۔

یہ بات درست ہے کہ قرآن و حدیث زندگی کے ان تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ قرآنِ حکیم اور حدیثِ مبارکہ کے بعض مقامات عام شخص کی سمجھ سے ماوراء ہیں۔ ہر انسان میں ایسی بلند درجہ صلاحیت اور قابلیت موجود نہیں کہ کسی حکم پر براہِ راست قرآن وحدیث سے رہنمائی حاصل کر سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے احکام کا بیان کہیں ''عبارۃ النص'' سے ہوتا ہے اور کہیں ''اشارۃ النص'' سے، کہیں ''دلالۃ النص'' سے ہوتا ہے اور کہیں ''اقتضاء النص'' سے، کہیں اِن کا انداز حقیقت ہے کہیں مجاز، کہیں صریح ہے کہیں کنایہ، کہیں ظاہر ہے کہیں خفی، کہیں مجمل ہے کہیں مفسّر، کہیں مطلق ہے کہیں مقیّد، کہیں عام ہے کہیں خاص، کہیں ناسخِ آیت وحدیث ہوتی ہے کہیں منسوخ، کہیں امر فرض و وجوب کے لیے آتا ہے کہیں استحباب کے لیے، کہیں نہی حرام ومکروہِ تحریمی کے لیے آتی ہے کہیں فقط خلافِ اولیٰ کے لیے۔ الغرض قرآن وحدیث میں تعلیمات مختلف طریقوں اور صورتوں میں موجود ہیں۔ ان میں اصل احکام (substantive laws) بھی ہیں اور ضابطہ جاتی (procedural laws) بھی۔ قرآن و حدیث کے احکام سے مسائل کے استنباط واستخراج اور کامل معرفت ''علم الفقہ''

کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔

درج ذیل سطور میں علم الفقہ کی بتدریج ترقی اور تدوین کے اسباب وحالات کی مختصر تاریخ بیان کی جارہی ہے۔

۲۔ بطور فن ''علم الفقہ'' کی تدوین وتخصّص

اسلام کا ابتدائی دور چونکہ نہایت سادہ تھا اور علوم وفنون میں اتنی وسعت نہ تھی۔ قرآن مجید اور احادیث ہی پڑھے اور پڑھائے جاتے تھے اور زیادہ تر انحصار حافظہ پر کیا جاتا تھا لیکن جیسے جیسے قرآن مجید مکمل ہوتا گیا اور احادیث کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا تو قرآن وسنت کی صورت میں علم کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہونا شروع ہوگیا۔ اسلام کا پیغام چونکہ پوری انسانیت کے لیے تھا لہٰذا حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو عرب کے گرد و نواح میں تعلیم وتربیت کے لیے بھیجنا شروع کر دیا۔ اس طرح تعلیم وتربیت کا سلسلہ شروع ہوا اور قرآن وسنت کا پیغام دنیا کے کونے کونے میں پھیلنے لگا۔ ساتھ ہی اسلامی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوگیا اور اس کا دائرہ وسیع ہونے کی بنا پر مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کے ملاپ کی وجہ سے نئی developments شروع ہوگئیں جس کے نتیجے میں علوم وفنون کے دائرے میں وسعت اور پھیلاؤ آنا قدرتی اور فطری امر تھا۔ دوسری طرف ابلاغ (communication) کے ذرائع اتنے جدید نہیں تھے لہٰذا جس شخص کے پاس جتنا علم ہوتا وہ اسے ہی استعمال کرتا اور دیگر علوم کے متعلق وہ معلومات حاصل کرنے سے قاصر رہتا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ دوسرے علوم کے ماہرین سے بھی تبادلۂ علم (exchange of knowledge) نہ کر پاتا لہٰذا مختلف صحابہ کرام نے اپنے اپنے ذوقِ طبع اور ذوقِ علمی کی بنا پر مختلف علوم میں دسترس اور مہارت حاصل کرنا شروع کر دی اور مخصوص علوم وفنون میں سند بنتے چلے گئے۔

قرآن مجید کو لفظ بہ لفظ حفظ کرنا تو ممکن تھا لیکن قرآن وسنت میں موجود تمام

علوم وفنون اور احکامات پر مکمل دسترس حاصل کرنا کسی بھی ایک شخص کے بس کی بات نہ تھی۔ لہٰذا صحابہ کرام نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق مخصوص علوم میں ہی تخصص (specialization) شروع کر دیا اور ان کو اپنے اپنے موضوع کے متعلق جو مواد ملتا وہ اسے لے لیتے اور اسی میں پختگی حاصل کر کے اس کو مزید ترقی دیتے۔ مختلف صحابہ کرام کے پاس چونکہ قرآن وسنت کے مختلف حصے اور موضوعات موجود ہوتے تھے لہٰذا انہوں نے انہیں میں مہارت حاصل کرنا شروع کر دی اور دیگر علوم کی طرف ان کی توجہ کم ہو جاتی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے تک کئی صحابہ کرام اپنے اپنے میدان میں ماہر ہو چکے تھے یہاں تک کہ آپ نے اپنے فرمان میں ان حضرات کی نشاندہی بھی کی ہے، آپ نے فرمایا:

مَنْ أَرَادَ أَنْ يَّسْأَلَ عَنِ الْقُرْآنِ فَلْيَأْتِ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ، وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَّسْأَلَ عَنِ الْفَرَائِضِ فَلْيَأْتِ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَّسْأَلَ عَنِ الْفِقْهِ فَلْيَأْتِ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ، وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَّسْأَلَ عَنِ الْمَالِ فَلْيَأْتِنِي فَإِنَّ اللهَ تَعَالَى جَعَلَنِي لَهُ خَازِنًا وَقَاسِمًا.(۱)

''جو شخص قرآن سے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو ابی بن کعب سے پوچھے، جو فرائض (علمِ میراث) سے متعلق پوچھنا چاہے تو زید بن ثابت سے پوچھے، جو فقہی مسائل کے بارے میں پوچھنا چاہے تو معاذ بن جبل سے پوچھے اور جس کو کسی معاشی مسئلے پر راہنمائی درکار ہو تو وہ میرے پاس آئے بیشک اللہ تعالیٰ

(۱) ۱۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۶: ۲۱۰، رقم: ۱۱۹۶۹
۲۔ ابن ابی شیبة، المصنف، ۶: ۴۵۴، رقم: ۳۲۸۹۶
۳۔ حاکم، المستدرك، ۳: ۳۰۶، رقم: ۵۱۹۱
۴۔ هیثمی، مجمع الزوائد، ۱: ۱۳۵
۵۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱۸: ۲۰

نے مجھے مال جمع کرنے والا اور تقسیم کرنے والا بنایا ہے۔‘‘

چنانچہ وقت گزرنے کے ساتھ علوم وفنون میں وسعت پیدا ہوتی گئی اور مختلف علوم وفنون کی تدوین، ان کی تقسیمات اور دیگر متعلقہ ضرورتوں نے جنم لینا شروع کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ فقہ کے باب میں بھی تخصص کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ تخصص کا یہ رواج اور سلسلہ دوسری صدی ہجری کے آغاز میں شروع ہوا۔ اس دور میں دینِ اسلام میں مختلف علمی مباحث کے نتائج کی بدولت مختلف مکاتبِ فکر بھی وجود میں آنے لگے جس کی وجہ سے علوم وفنون میں تخصّص اور تقسیم کا عمل شروع ہو گیا۔ علومِ عقائد کے فن کا نام ’علم الکلام‘ یا ’علم العقائد‘ ہو گیا اور اپنی وسعت، اہمیت اور پھیلاؤ کی وجہ سے یہ ’’علم الفقہ‘‘ کے عنوان سے خارج ہو گیا۔ اسی طرح سلوک وتصوف اور روحانی و وجدانی علوم میں بھی تخصیص ہوئی اور یہ موضوعات بھی فقہ سے الگ ہو کر ’علم التصوف‘ کے عنوان کے تحت جمع ہوتے چلے گئے۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر ’’فقہ‘‘ کا مفہوم کل دین کے علوم میں سمجھ بوجھ حاصل کرنے کی بجائے چند مخصوص علوم ہی میں مہارت حاصل کرنے کے لیے مختص ہونا شروع ہو گیا۔

جب متغیر احوالِ زندگی کے ساتھ نئے نئے مسائل پیدا ہونا شروع ہوئے تو ان مسائل کے حل کے لیے احکام کے استنباط کی ضرورت نے فقہ کے مفہوم میں تخصص کو جنم دیا۔ روز مرہ انسانی ضرورتوں پر مبنی اس علم کو ایک الگ فن کے طور پر منفرد مقام حاصل ہو گیا۔ اور ’علم الفقہ‘ کے زیرِ عنوان گوناگوں مسائل سے متعلق احکام جمع ہونا شروع ہو گئے چنانچہ جن عالی قدر حضرات نے قرآن وحدیث سے احکام کے استنباط اور ترتیب کے اس عظیم فن میں مہارت اور تخصص حاصل کیا وہ ’فقہاء‘ کہلانے لگے۔

متغیر اَحوالِ حیات کی ضرورت

زندگی جامد چیز نہیں اسے قدم قدم پر نئے حالات کا سامنا رہتا ہے۔ ان بدلتے

ہوئے حالات کے پیشِ نظر ہمیشہ نئی قانون سازی کی ضرورت پیش آتی ہے، تاکہ متغیر احوالِ حیات اور احکام میں ہم آہنگی اور یکسانیت پیدا ہو سکے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ اسلام کے بنیادی اور اساسی اصول ہمیشہ یکساں رہیں گے کیونکہ وہ غیر متبدل ہیں۔ یعنی قرآن وسنت ہی بنیادی مآخذ و مصادرِ احکام ہوں گے اور ہر مسئلہ کے حل کے لیے رہنمائی انہیں سے لی جائے گی تاہم جدید مسائل کے حل کے لیے بعض احکام میں اجتہاد کی ضرورت رہے گی۔

یہاں یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ قرآن وسنت کے احکام دو قسم کے ہیں:

پہلی قسم کے احکام غیر متبدّل ہیں جو قطعی طور پر صادر فرمائے گئے ہیں۔ ان میں کسی صورت کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی اور نہ ہی مرورِ زمانہ ان پر اثرانداز ہوسکتا ہے۔

دوسری قسم کے احکام متبدّل ہیں جن کے بارے میں قرآن وسنت میں صرف بنیادی اصول دیئے گئے ہیں۔ ان اصولوں کے مطابق شریعت میں قیاس واجتہاد کی گنجائش موجود ہے جن کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مرورِ زمانہ کے ساتھ جزوی احکام وضع کیے جاسکتے ہیں۔

قرآن وحدیث میں بعض احکام کو قطعیت کے ساتھ تفصیلاً اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ انسانی عقل کی رسائی وہاں تک نہیں۔ ان قطعی احکام میں عقائد یعنی توحید ورسالت، آخرت اور دیگر ایمانیات شامل ہیں۔ ان کے علاوہ فرائض عبادات اور وراثت کے مسائل بھی اسی ضمن میں آتے ہیں۔ جن احکامات کے لیے قرآن وحدیث نے صرف بنیادی اصول وتصورات دئے ہیں ان میں سیاسی، معاشرتی، سماجی اور خرید وفروخت کے معاملات ومعاہدات وغیرہ شامل ہیں۔ ان اصولوں کی فی زمانہ حالات کے مطابق وضاحت کرنا اور قانون سازی کے ذریعے ایک نظام کے طور پر تفصیلات طے کرنا فقہاء ومجتہدین کی ذمہ داری ہے جو علم الفقہ میں متخصص ہوتے ہیں۔

۳۔ قرآنِ حکیم سے ''فقہ'' کا ثبوت

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ 'فقہ' ایک بدعت ہے جو عہدِ نبوی ﷺ اور عہدِ صحابہ ﷺ کے بعد میں آنے والوں کی ایجاد ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ یہ محض ان لوگوں کا مغالطہ ہے۔ حقیقت میں فقہ کسی بدعت کا نہیں بلکہ قرآن وسنت ہی کے علومِ احکام میں تخصص کا نام ہے اور قرآن وسنت ہی کے دیگر بے شمار علوم کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔ قرآن و حدیث میں بے شمار نصوص ایسی ہیں جن سے بالواسطہ یا بلاواسطہ فقہ کا ثبوت ملتا ہے۔ قرآن مجید میں **۲۰ مقامات** ایسے ہیں جن میں لفظِ ''فقہ'' استعمال ہوا ہے۔

ہم یہاں اختصار سے کام لیتے ہوئے اِن میں سے پانچ آیاتِ مبارکہ بمع تراجم لکھنے پر اکتفا کریں گے۔

۱۔ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ. (۱)

''تو ان میں سے ہر ایک گروہ (یا قبیلہ) کی ایک جماعت کیوں نہ نکلے کہ وہ لوگ دین میں تفقہ (یعنی خوب فہم و بصیرت) حاصل کریں۔''

۲۔ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا○ (۲)

''پس اس قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ کوئی بات سمجھنے کے قریب ہی نہیں آتے○''

۳۔ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ. (۳)

''اور ہم نے ان کے دلوں پر (ان کی اپنی بدنیتی کے باعث) پردے ڈال دیئے ہیں (سو اب ان کے لیے ممکن نہیں) کہ وہ اس (قرآن) کو سمجھ سکیں۔''

---

(۱) التوبة، ۹:۱۲۲

(۲) النساء، ۴:۷۸

(۳) الانعام، ۶:۲۵

۴۔ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ○(۱)

’’دیکھیے ہم کس کس طرح آیتیں بیان کرتے ہیں تاکہ یہ (لوگ) سمجھ سکیں○‘‘

۵۔ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ○(۲)

’’بیشک ہم نے سمجھنے والے لوگوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں○‘‘☆

ان آیات پر غور کرنے سے یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ ’فقہ‘ کی اصطلاح قطعًا نئی نہیں بلکہ یہ ایک قرآنی اصطلاح ہے جس سے اسلامی قوانین کی حقیقی روح کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ مذکورہ آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث میں غور و خوض کرنا اور اُن میں فقہ وفہم سے کام لینا حکمِ قرآن اور اللہ تعالیٰ کی منشاء ہے۔ یہ قرآنی حکم ہے کہ علمِ فقہ کو develop کیا جائے اور ایسے لوگ پیدا ہوں جو دین کی سمجھ، فہم، تدبر اور بصیرت میں گہرائی حاصل کریں۔ اس میدان کے ماہر بنیں اور اس میں تخصص کریں تاکہ وہ قرآن

---

(۱) الانعام، ۶:۶۵

(۲) الانعام، ۶:۹۸

☆ ان پانچ آیات کے علاوہ درج ذیل حوالہ جات کے تحت لفظِ ’فقہ‘ پر آیات ملاحظہ کی جا سکتی ہیں:

(۱) الاعراف، ۷: ۱۷۹
(۲) الانفال، ۸: ۶۵
(۳) التوبة، ۹: ۸۱
(۴) التوبة، ۹: ۸۷
(۵) التوبة، ۹: ۱۲۷
(۶) هود، ۱۱: ۹۱
(۷) بنی اسرائیل، ۱۷: ۴۴
(۸) بنی اسرائیل، ۱۷: ۴۶
(۹) الکهف، ۱۸: ۵۷
(۱۰) الکهف، ۱۸: ۹۳
(۱۱) طٰه، ۲۰: ۲۷۔ ۲۸
(۱۲) الفتح، ۴۸: ۱۵
(۱۳) الحشر، ۵۹: ۱۳
(۱۴) المنافقون، ۶۳: ۳
(۱۵) المنافقون، ۶۳: ۷

وسنت سے احکام کا استخراج (derivation) کر سکیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

اسی کے ساتھ ہم اس بات کی بھی وضاحت کرتے چلیں کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی صفات میں تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (ہر چیز کا بڑا واضح بیان)(۱) اور وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ (اور بیشک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے)(۲) کی بشارت کی موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن مجید کو ہر شخص براہِ راست سمجھ سکتا ہے۔

اِس سلسلے میں گزارش ہے کہ معاملہ ایسا ہرگز نہیں بلکہ ان آیات کا اطلاق غلط کیا گیا ہے۔ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ بے شک قرآن مجید میں ہر چیز کا بیان موجود ہے لیکن اس بحرِ بے کراں سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اس کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے کسی ماہر غوطہ زن کا ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ بھی حق ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کو موعظت و نصیحت کے لیے آسان بنایا گیا ہے جیسا کہ آیت کے اگلے الفاظ - فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (تو کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے؟) - بھی اسی کے مؤید ہیں۔ جو شخص نصیحت حاصل کرنا چاہے تو قرآن اُس کو آسان پیرائے میں اِس سے نوازتا ہے لیکن یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں اور نہ ہی قرآن کے الفاظ اس کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ کوئی بھی شخص اس لامحدود آفاق میں پوشیدہ اسرار و حِکَم اور حکمتِ احکام تک بغیر علم و فقہ کے رسائی حاصل کر لے۔ اگر احکامِ قرآن کے حقیقی منشاء و مراد کو براہِ راست ہر شخص سمجھ سکتا تو پھر حضور ﷺ کے فرائضِ نبوت میں کتاب و حکمت کی تعلیم شامل نہ ہوتی۔

---

(۱) النحل، ۱۶: ۸۹

(۲) القمر، ۵۴: ۱۷

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ. (۱)

''(وہ رسول)جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض نبوت میں تھا کہ آپ آیات کو پڑھ کر بیان فرماتے اور کتاب وحکمت کی تعلیم خود اپنی زبانِ اقدس سے دیتے تھے حالانکہ قرآن مجید نے تمام انسانوں کو مخاطب کیا ہے۔ یہ کلماتِ قرآن واضح کرتے ہیں کہ قرآن مجید کا ہر مخاطب مضامینِ قرآن کو سمجھنے پر قادر نہیں ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کا فرستادہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے سامنے معانی اور احکام کو بیان کرتا ہے تاکہ قیامت تک آنے والے آپ کے متبعین اور تمام بنی نوع انسان اس قرآن کی معرفت حاصل کرسکیں۔

یہ اَمر کسی سے پوشیدہ نہیں کہ قرآن حکیم چودہ صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی فصاحت و بلاغت کے اسی اعلیٰ درجہ اور شانِ اعجاز کے ساتھ موجود ہے جس کو مخالفین نے بھی تسلیم کیا خود قرآن نے چیلنج بھی دیا ہے:

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○ (۲)

''تو اس جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا لاؤ، اور (اس کام کے لیے بیشک)اللہ کے سوا اپنے (سب) حمائتیوں کو بلا لو اگر تم (اپنے شک اور انکار میں) سچے ہو○''

نزولِ قرآن سے لے کر آج تک عرب وعجم میں کسی عالم، ماہرِ لغت وادب اور فلسفی ومفکر سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ ایک سطر ہی لکھ کر پیش کر دے جو فصاحت و بلاغت

(۱) آل عمران، ۳: ۱۶۴

(۲) البقرة، ۲: ۲۳

میں قرآن کا جواب ہو سکے۔ جبکہ قرآن اپنا یہ دعوی آج بھی دُہرا رہا ہے اور اس کا یہی دعویٰ دراصل اس کی فصاحت و بلاغت کا وہ معجزہ ہے جس کی مثال دنیا کی کسی اور زبان یا کتاب میں ملنا مشکل ہے۔ جس طرح اس فصاحت و بلاغت سے معمور قرآن حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کو سکھلایا اور اس کی تعلیم دی اسی منہج پر چلتے ہوئے تا قیامت آپ کے متبعین اس میں موجود احکام کی علتوں اور حکمتوں کو فقہ کی روشنی میں سمجھتے ہوئے اس کی کما حقہ تعلیم دیتے جائیں گے۔

''فقہ'' قرآن وسنت ہی کی پیروی کا نام ہے

فقہ کو بدعت قرار دینے والے بعض لوگ یہ بھی ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ قرآن و سنت کو ناکافی سمجھنے کی وجہ سے (استغفر اللہ) فقہ کو قرآن و سنت کے نعم البدل کے طور پر اپنایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ فقہ کو قرآن و سنت کے خلاف ثابت کرنے کے لیے بلا ضرورت ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ایسا موقف اختیار کرنا قرآن وسنت کی تعلیمات سے عدمِ واقفیت پر دلالت کرتا ہے۔ یاد رہے کہ قرآن وسنت ہر علم کی بنیاد ہے اور ''فقہ'' قرآن وسنت ہی کی پیروی کا نام ہے۔

فقہ کے تمام مسائل بنیادی طور پر قرآن وسنت ہی سے ماخوذ ہیں اور فقہاء جتنے بھی مسائل کا استنباط کرتے ہیں ان کی بنیاد قرآن وسنت پر ہی ہوتی ہے بلکہ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ فقہ میں بیان کردہ احکام دراصل قرآن مجید کی تفسیر اور احادیثِ مبارکہ کی تشریح ہیں۔ اگر اسی زاویۂ نگاہ یعنی ''قرآن و حدیث کے علاوہ کسی اور شئے کی ضرورت نہیں'' کو من وعن مان لیا جائے تو آج سارے عالمِ اسلام میں قرآن مجید اور احادیث پر مشتمل چند کتب کے علاوہ کسی اور علمی موضوع پر کوئی کتاب سرے سے موجود ہی نہ ہوتی کیونکہ قرآن و حدیث صرف علمِ فقہ کے لیے اساس یا اصل نہیں ہیں بلکہ دیگر تمام مذہبی و دنیاوی علوم مثلاً عقائد، ایمان، عبادات، اعمال، سائنسی علوم، سیاسی، معاشی، قانونی اور سماجی علوم کی بھی بنیاد اور اصل ہیں۔ ان علوم میں ترقی بھی قرآنی اساس پر مبنی ہے لہٰذا

اس نقطہ ہائے نظر کو ماننے سے دنیائے علم وفن ایک جمود اور تعطل کا شکار ہو جاتی اور کسی سمت میں بھی ترقی نہ ہوتی کیونکہ اگر فقہ کو بدعت قرار دیا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ اس موقف کی وجہ سے تمام دیگر علوم بھی بدعت قرار پائیں گے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں کوئی تفسیر کی کتاب موجود نہیں تھی اور نہ ہی حدیث کی تشریح پر مشتمل کتب موجود تھیں۔ صحابہ کرام کا زمانہ بھی ایسے ہی گزرا ہے لیکن اب لاکھوں کتب خانے بے شمار دینی و دنیاوی علوم وفنون پر مشتمل کتب سے بھرے پڑے ہیں۔ یہ علم کا تسلسل ہے کہ فقہ کے ساتھ ساتھ دیگر علوم وفنون میں بھی ارتقاء کا عمل جاری رہا اور ترقی ہوتی رہی لہٰذا فقہ کو بدعت کہنا خود بدعت ہے بلکہ گمراہی اور جہالت کا شاخسانہ ہے کیونکہ فقہ کی اصطلاح خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں بھی استعمال ہوتی تھی۔

۴۔ اِستنباطِ احکام کے لیے فقہ کی ناگزیریت

قرآنِ حکیم اور احادیثِ مبارکہ کی نصوص سے احکام کا استنباط کرنے کے لیے مختلف صورتیں اختیار کی جاتی ہیں۔ کبھی کوئی حکم عبارت سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے اور کبھی کوئی حکم اس عبارت سے ضمناً ثابت ہوتا ہے۔ کبھی عبارت کے الفاظ میں معمولی غور و خوض سے اِس کی دلالت معلوم کی جاتی ہے اور کبھی عبارت میں غور وخوض کر کے بین السطور تقاضے کو معلوم کیا جاتا ہے جنہیں اِصطلاحی اعتبار سے بالترتیب عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

نصوصِ قرآن و حدیث کے یہ مختلف اسالیب ہیں جن سے احکام ثابت ہوتے ہیں۔ عبارۃ النص سے تو ہر ذی شعور انسان احکام سمجھ سکتا ہے لیکن وہ احکام جو اشارۃً، دلالۃً یا اقتضاءً ثابت ہو رہے ہوں ان کا ادراک ہر شخص نہیں کرسکتا۔ ان اسالیب کی بناء پر ثابت ہونے والے احکام کا ادراک صرف وہ افراد کر سکتے ہیں جنہیں عربی لغت میں ملکہ حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ یہ فہم و بصیرت بھی حاصل ہو کہ وہ عبارت کی گہرائی کو سمجھتے ہوں اور

اس میں موجود اشاروں، دلالتوں اور تقاضوں کو پہچان کر ان کے مطابق احکام کا استدلال کرسکیں۔ یہ کام صرف فقہاء ہی سرانجام دے سکتے ہیں کیونکہ انہیں عربی ادب اور شرعی علوم و فنون میں بیک وقت مہارتِ تامہ حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ ان اسالیب کے ذریعے نص سے حکم کا استنباط و استخراج کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔

علاوہ ازیں آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ مبارکہ میں احکام مختلف صورتوں، انداز اور طریقوں میں موجود ہیں ان میں اصل احکام (substantive laws) بھی موجود ہیں اور ضابطہ جاتی احکام (procedural laws) بھی۔ لہٰذا انہیں سمجھنا اور الگ الگ کرنا اور مختلف مقامات سے اکٹھا و مرکوز کرنا، منظّم کرنا اور جدید اسلوب کے مطابق ان کی دیگر تفصیلات طے کرنا بہت ہی مشکل اور تکنیکی کام ہے۔ کیا ان تمام انداز ہائے بیان اور اسالیب سے احکام کا استخراج عام آدمی کرسکتا ہے؟ کیا وہ قرآن و حدیث سے براہِ راست احکام و قوانین سمجھ سکتا ہے؟

اس کا جواب یقیناً **''نہیں''** میں ہے اس لیے لامحالہ تمام شعبہ ہائے زندگی سے متعلق قوانین، اصول وضوابط اور استنباط احکام کے لیے ایسے ماہرین کی ضرورت پڑتی ہے جو قرآن سے استخراج احکام کا فریضہ سرانجام دیں تاکہ عوام الناس کے لیے عمل پیرا ہونا آسان ہو جائے۔ اس طلب و ضرورت نے قرآن سے استنباطِ احکام کے لیے 'فقہ' کو ناگزیر قرار دیا۔

قرآن وحدیث کا اسلوب ہی کچھ ایسا ہے کہ عربی دانی کے باوجود ان میں کئی طرح کی مشکلات ہیں جس کے باعث ہر شخص براہِ راست ان میں موجود احکام اور معارف کی رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔

قرآنی آیات میں موضوعات کی کثرت اور ان میں موجود مشکلات کا تذکرہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ (متوفی ۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں:

فنقول: إن عدم الوصول إلى فهم المراد باللفظ يكون تارة بسبب استعمال لفظ غريب، وعلاجه نقل معنى اللفظ عن الصحابة والتابعين و سائر أهل المعانى، وتارة يكون ذلک لعدم تمييز المنسوخ من الناسخ، وتارة يكون لغفلة عن سبب النزول، وتارة يكون بسبب حذف المضاف أو الموصوف أو غيرهما. وتارة لإبدال شئ مكان شئ، أو إبدال حرف بحرف، أو إسم بإسم أو فعل بفعل، أو لذكر الجمع موضع المفرد وبالعكس، أو لاستعمال الغيبة مكان الخطاب وتارة بتقديم ما حقه التأخير وبالعكس. وتارة بسبب انتشار الضمائر وتعدد المراد من لفظ واحد. وتارة بسبب التكرار والإطناب. وتارة بسبب الاختصار والإيجاز، ومرّة بسبب استعمال الكناية والتعريض والمتشابه والمجاز العقلى.(۱)

’’پس ہم کہتے ہیں کہ قرآن کی مراد نہ سمجھنے کی وجہ کبھی تو ان نادر اور غریب الفاظ کا استعمال ہے جن کو سمجھنے کے لیے صحابہ کرام، تابعین اور دیگر اہلِ لغت کے بیان کردہ معانی نقل کرنے پڑتے ہیں اور کبھی اس کا سبب ناسخ و منسوخ کی شناخت نہ کر سکنا، کبھی اسبابِ نزول سے غفلت کا ہونا اور کبھی مضاف یا موصوف وغیرہ کا حذف ہونا ہوتا ہے۔ کبھی ایک شئے کو دوسری شئے سے یا ایک حرف کو دوسرے حرف سے، اسم کو دوسرے اسم سے، فعل کو دوسرے فعل سے یا جمع کو مفرد کی جگہ اور اس کے برعکس (مفرد کو جمع کی جگہ) یا غائب کے اسلوب کو مخاطب سے بدل دینا اس کا باعث ہوتا ہے۔ کبھی مستحقِ تاخیر کی تقدیم اور

(۱) شاه ولی الله، الفوز الکبیر: ۳۸

اس کا برعکس (مستحقِ تقدیم کی تاخیر) اور کبھی اس کا سبب ضمائر کا انتشار اور لفظِ واحد سے مراد کا متعدد ہونا اور کبھی تکرار اور اِطناب (مفیدِ طوالت) ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کا سبب اختصار و ایجاز اور کبھی کنایہ، تعریض، متشابہ یا مجازِ عقلی کا استعمال ہوتا ہے۔‘‘

شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ کے اس بیان سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید کو براہِ راست سمجھنا ہر ایک کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اسی سلسلے میں قرآن کی درج ذیل مثال پر غور کرنے سے پتہ چل جائے گا کہ قرآن کے فصیح و بلیغ الفاظ کو سمجھنے میں فقہ کی ضرورت کس قدر ناگزیر ہے۔

۱۔ روزوں میں وقتِ سحری کے تعین کے لیے درج ذیل آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ. (۱)

’’اور کھاتے پیتے رہا کرو یہاں تک کہ تم پر صبح کا سفید ڈورا (رات کے) سیاہ ڈورے سے (الگ ہوکر) نمایاں ہو جائے۔‘‘

صحابیٔ رسول حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے ظاہری مضمونِ آیت کے لحاظ سے اپنے تکیہ کے نیچے سیاہ اور سفید دھاگے رکھ لیے (اس غرض سے کہ جب تک ان کے رنگ اچھی طرح محسوس اور ممتاز نہ ہوں کھاتے پیتے رہیں گے) پھر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا خَيْطِ أَبْيَض اور خَيْطِ اَسْوَد سے دھاگے مراد ہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّکَ لَعَرِيْضُ الْقَفَا إِنْ أَبْصَرْتَ الْخَيْطَيْنِ، ثُمَّ، قَالَ: لَا! بَلْ هُوَ

(۱) البقرة، ۲:۱۸۷

سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ.(۱)

’’اگر خیط أبیض (دن) اور خیط اسود (رات) کو تم نے (اپنے تکیہ کے نیچے) دیکھ لیا تو تم تو بڑے دماغ والے ہو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس سے مراد رات کی سیاہی اور صبح کی سفیدی ہے۔‘‘

اس مثال سے یہ واضح ہوا کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور معیت میں رہنے والا شخص قرآن کے اشارہ کنایہ میں کی گئی بات کو نہیں سمجھ سکا تو پھر ہم اس لائق کہاں؟ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے قرآن کے ظاہری الفاظ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ اور الْخَيْطُ الْاَسْوَدُ کا معنی ’’سفید اور سیاہ دھاگہ‘‘ لیا اور قرآن کے اسلوبِ کنایہ کو نہ سمجھ سکے جس کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضاحت فرمائی۔

جس طرح قرآن مجید بے حد فصیح و بلیغ ہے اور اس میں کئی علمی گوشے پنہاں ہیں بعینہٖ یہی صورتِ حال حدیثِ مبارکہ کے ساتھ بھی ہے۔ بعض احادیثِ مبارکہ میں بھی کئی ایسے اَدق علمی اسالیب اختیار کیے گئے ہیں جن کی تہہ تک رسائی حاصل کر کے درپیش مسئلہ کا حل تلاش کرنا حدیث کے عام قاری کی استعداد سے باہر ہے۔ اس کے لیے خاص علمی اور فقہی قابلیت کا ہونا ضروری ہے۔

دنیاوی معاملات میں بعض اوقات صریح الفاظ میں کلام کرنے کی بجائے

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب قوله: وكلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الأبيض من الخيط الأسود، ۴: ۱۶۴۰، رقم: ۴۲۴۰

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصیام، باب بیان أن الدخول فی الصوم یحصل بطلوع الفجر، ۲: ۷۶۶، رقم: ۱۰۹۰

۳۔ أبوداؤد، السنن، کتاب الصوم، باب وقت السحور، ۲: ۳۰۴، رقم: ۲۳۴۹

۴۔ ابن خزیمه، الصحیح، ۳: ۲۰۹، رقم: ۱۹۲۶

اشارے اور کنائے میں کلام کرنا زیادہ مناسب ہوتا ہے کیونکہ ایسے اوقات میں صریح الفاظ کا استعمال حیاء کے منافی ہوتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ جہاں دیگر اوصاف میں اکمل اور اتم ہیں وہاں آپ ﷺ پیکرِ حیا بھی ہیں جس کی جھلک آپ کی گفتگو میں بہت نمایاں نظر آتی ہے۔

۲۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ. (۱)

''پانی، پانی سے ہے۔''

اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے کوئی مطلب واضح نہیں ہوتا مگر اس میں غور کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اس میں اہم فقہی مسئلے کا بیان ہے۔ پہلے پانی سے مراد ''غسل'' اور دوسرے پانی سے مراد ''منی'' ہے۔ اس مختصر حدیث کا مطلب و مدعا یہ ہے کہ منی کے نظر آنے سے غسل واجب ہوگا محض خواب میں دیکھنے سے غسل واجب نہیں ہوگا۔

قرآن وحدیث کے الفاظ میں اس بات کا تعین کرنا کہ یہاں الفاظ کی اپنے معنی پر دلالت صریح ہے یا کنایتاً، اس کے لیے موقع محل، سیاق وسباق اور قرائن کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے جس کے لیے محض قرآن و حدیث کو عربی میں پڑھ لینا یا سمجھ لینا کافی نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے ایک خاص فقاہت و ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے جس میں یہ فقاہت و ذہانت ہو اسے 'فقیہ' کہتے ہیں۔

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحیض، باب إنما الماء من الماء، ۱: ۲۶۹، رقم: ۳۴۳

۲۔ أبوداؤد، السنن، کتاب الطهارة، باب في الإکسال، ۱: ۵۶، رقم: ۲۱۷

۳۔ ابن خزیمة، الصحیح، ۱: ۱۱۷، رقم: ۲۳۳۔ ۲۳۴

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۳: ۴۴۳، رقم: ۱۱۶۷

ماحصل بحث

جس طرح وحیٔ جلی کی شکل میں قرآن حکیم کے احکام و معارف سے کماحقہٗ آگاہی حاصل کرنے کے لیے علومِ قرآن کے بسیط سمندر میں غوطہ زن ہونا پڑتا ہے اسی طرح وحیٔ خفی کی شکل میں احادیثِ مبارکہ میں مخفی و پوشیدہ اسرار و حکم تک رسائی کے لیے بھی اَن گِنت علوم وفنون کی منازل طے کرنا پڑتی ہیں تب کہیں جا کر انسان قرآن و حدیث کے اس گلستان سے پھول چننے کے قابل ہوتا ہے۔ اس مقام و مرتبہ تک پہنچنے کے لیے اسے عربی لغت و ادب سے آشنائی، ناسخ و منسوخ کی پہچان، اختلاف فی الحدیث کا فہم، لفظِ مشترک کا ادراک، حقیقت و مجاز کی سوجھ بوجھ، نصوص میں لفظِ خاص اور عام کا تعین، حکمِ مطلق اور مقید کی نشاندہی، صیغۂ امر اور نہی کے حقیقی اور مجازی معانی میں سے درست معنٰی سے آگہی اور ان کی بناء پر واجب و مباح یا حرام و مکروہ وغیرہ کا اطلاق، اسالیبِ احکام سے آگاہی اور علل کے استنباط و استخراج جیسے بنیادی علوم کی قوت و استعداد حاصل ہونا ضروری ہے۔ ان کے بغیر جو بھی وحیٔ جلی اور وحیٔ خفی کے ان فلک بوس پہاڑوں کی رفعتوں یا ان کے دشت و بیابان کی وسعتوں کو عبور کرنے کی سعی کرے گا وہ اپنا سر پٹخ کر رہ جائے گا یا گمراہی و ضلالت کی گھاٹیوں میں کھو جائے گا۔

۱۔ اللہ رب العزت نے اسی لیے واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا. (۱)

''اللہ ایک ہی بات کے ذریعے بہت سے لوگوں کو گمراہ ٹھہراتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔''

۲۔ امام ابنِ وہبؒ رقمطراز ہیں:

كل صاحب حديث ليس له إمام في الفقه فهو ضال، ولو لا أن الله

(۱) البقرة، ۲: ۲۶

أنقذنا بمالک و اللیث وھما فقیھان، لضللنا.[1]

’’جمیع محدّثین میں سے جس کسی کا بھی فقہ میں کوئی امام نہیں وہ گمراہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ فقیہانِ امت امام مالک اور لیث کے ذریعے ہماری رہنمائی نہ فرماتا تو ہم بھی گمراہ ہو چکے ہوتے۔‘‘

حقیقت یہی ہے کہ جس طرح کوہ و دمن کی اعلیٰ ترین منازل تک پہنچنے کے لیے کسی ماہر ترین کوہ پیما کی ضرورت ہوتی ہے جو ان کے تمام پُر پیچ اور خطرناک راستوں سے آگاہ ہو۔ لامحالہ تمام شعبہ ہائے زندگی سے متعلق قوانین اور اصول وضوابط اور استنباطِ احکام کے لیے ایسے ماہرین کی ضرورت پیش آتی ہے جو قرآن وحدیث سے استخراجِ احکام کا فریضہ سر انجام دیں تاکہ عوام الناس کے لیے ان احکام کو سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی آسانی کے ساتھ جدید پیش آمدہ مسائل سے نپٹنے کی سہولت بھی مہیا ہو جائے۔ جو لوگ قرآن و حدیث کے ان راستوں سے آشنا ہوتے ہیں اور انہوں نے اپنے دامن کو ان تمام بنیادی علوم وفنون سے مزین کیا ہوتا ہے وہی حضرات بغیر گمراہی و ضلالت کے اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ قرآن و حدیث کے اس بحرِ بے کنار سے اپنی کوششوں کے سبب موتی سمیٹ لانے والے باہمت شناور ’فقہاء‘ کہلاتے ہیں۔ یہ فقہاء ہی ہوتے ہیں جو ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق پیش آنے والے مسائل کا حل اپنی عقل و دانش اور فہم وتدبر سے قرآن وحدیث ہی سے اخذ کرتے ہیں۔

آخر میں یہ بتانا ضروری ہے کہ محض حدیث ’’روایت کرنا اور جرح وتعدیل کے حوالے سے اس کے رُواۃ پر نظر رکھنا‘‘ الگ شعبہ ہے جبکہ حدیث سے ’’احکام ومسائل کا استنباط واستخراج‘‘ الگ شعبہ ہے جو بالترتیب علم الحدیث اور فقہ الحدیث سے عبارت ہیں۔ اِن شاء اللہ تبارک وتعالیٰ اگلے باب میں علم الحدیث اور فقہ الحدیث سے متعلق مباحث پر تفصیلی بحث کی جائے گی۔

---

(۱) ابن ابی زید القیروانی، الجامع: ۱۱۷

باب سوم

عِلْمُ الحَدِیث اور فِقْہُ الحَدِیث میں فرق

www.MinhajBooks.com

۱۔ علم الحدیث اور فقہ الحدیث کے دائرہ ہائے کار

پچھلے باب میں ہم مختلف پہلوؤں سے فہم القرآن اور فہم الحدیث کے لیے ''فقہ'' کی ناگزیریت اور اس کی اہمیت کو واضح کر چکے ہیں۔ اس باب میں ہم اِن شاء اللہ تعالیٰ عِلْمُ الحَدِیث اور فِقْهُ الحَدِیث کے مابین فرق کو مختلف علمی جہتوں سے بیان کریں گے اور ائمہِ حدیث و فقہ کے اقوال و تعریفات کی روشنی میں علم الحدیث اور فقہ الحدیث کا صحیح تصور اُجاگر کریں گے تاکہ ان دونوں کی حدود اور الگ الگ دائرہ کار متعین ہو جائے۔

(۱) علم الحدیث

امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاویؒ (۹۰۲ھ) نے جامع الفاظ میں ''علم الحدیث'' کی درج ذیل اصطلاحی تعریف کی ہے:

ما أُضِيفَ إلى النبي ﷺ قولًا له، أو فعلًا، أو تقريرًا، أو صفةً حتى الحَرَكات و السَّكَنات في اليَقْظَة و المَنام. (۱)

''جس قول، فعل، تقریر (سکوت)، صفت یہاں تک کہ سونے اور جاگنے کی حرکات وسکنات کی نسبت اور اضافت حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف ہو وہ علم، علم الحدیث کہلاتا ہے۔''

اس تعریف کی رو سے درج ذیل پانچ امور علم الحدیث میں شامل ہوئے:

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے ارشادات اور اقوال

(۱) سخاوی، فتح المغیث بشرح ألفية الحديث، ۱: ۱۰

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے افعال اور احوال

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا کسی صحابی کے عمل پر سکوت

۴۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی صفاتِ خِلقیہ (شمائل و خصائل) اور صفاتِ خُلُقیہ (اخلاق و عادات)

۵۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے معمولاتِ زندگی

علم الحدیث کی مزید تقسیم (classification) درج ذیل ہے:

علم الحدیث کی دو بنیادی اقسام

ائمہ حدیث کے مطابق علم الحدیث درج ذیل دو اقسام پر مشتمل ہے:

۱۔ رِوایۃ الحدیث ۲۔ دِرایۃ الحدیث

۱۔ رِوایۃ الحدیث

علامہ محمد ابوالفضل الورّاقی الجیزاویؒ (۱۳۴۶ھ) نے روایۃ الحدیث پر درج ذیل جامع الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

هو عِلمٌ يشتمل عَلَى أقوالِ النبي ﷺ، وأفعاله، وتَقريراته، وصِفاتِه، و رِوايَتِها، وضَبطِها، و تحريرِ ألفاظها.

وموضوعه: ذات الرسول ﷺ من حيث أنه رسول.

وغايته: الفوز بسعادة الدارين.(۱)

''وہ علم جو حضور نبی اکرم ﷺ کے اقوال، افعال، تقریرات، صفات اور ان کو روایت کرنے، ان کے ضبط اور ان کے الفاظ کی تحریر پر مشتمل ہو علم الحدیث

(۱) الجيزاوی، الطراز الحديث فی فن مصطلح الحديث: ۷

بالروایۃ کہلاتا ہے۔

''**اس کا موضوع:** بحیثیتِ رسول حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مطہرہ ہے۔

''**اس کا مقصد:** دنیاوی اور اخروی سعادت کا حصول ہے۔''

۲۔ درایۃ الحدیث

امام محمد بن ابراہیم انصاری اَکفانیؒ (۷۹۴ھ) نے درایۃ الحدیث کی تعریف یوں کی ہے:

علم يعرف منه حقيقة الرواية، وشروطها، و أنواعها، وأحكامها، وحال الرواة، وشروطهم، وأصناف المرويّات، وما يتعلّق بها. (۱)

''وہ علم جس سے روایتِ حدیث کی حقیقت، اس کی شرائط، اس کی اَنواع، اس کے اَحکام، رواۃ کے حال اور ان کی شرائط، مرویات کی اقسام اور ان کے متعلقات کی معرفت حاصل ہو علم الحدیث بالدرایۃ کہلاتا ہے۔''

امام اَکفانی کی تعریفِ علم الحدیث بالدرایۃ نقل کرنے کے بعد امام جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ) نے اس تعریف کی درج ذیل الفاظ میں شرح کی ہے:

فحقيقة الرّواية: نقل السنّة و نحوها و إسناد ذلك إلى من عزى إليه بتحديث أو إخبار وغير ذلك. وشروطها: تحمّل راويها لما يرويه بنوع من أنواع التحمّل، من سماع أو عرض أو إجازة ونحوها. وأنواعها: الاتصال و الانقطاع ونحوهما. و أحكامها: القبول والردّ. وحال الرواة: العدالة والجرح ..... وأصناف المرويات: المصنّفات من المسانيد والمعاجم والأجزاء

(۱) سیوطی، تدریب الراوی، ۱: ۴۰

وغيرها، أحاديث وآثاراً وغيرهما. وما يتعلّق بها: هو معرفة اصطلاح أهلها.(۱)

''**حقیقتِ روایت:** سنت اور اس سے ملتی جلتی چیزوں کو نقل کرنا اور حَدَّثَنا یا أخْبَرَنا وغیرہ کے الفاظ کے ذریعہ ان کو بیان کرنے والے تک جوڑنا ہے۔

''**اس کی شرائط:** اس روایت کے راوی نے تحمّلِ روایت کے طریقوں میں سے کسی ایک کو اختیار کیا ہو مثلاً اس روایت کو اپنے شیخ سے سنا ہو یا شیخ پر پڑھی ہو، یا شیخ نے اسے روایت کرنے کی اجازت دی ہو۔

''**روایت کی اقسام:** روایت کا متصل اسناد کے ساتھ ہونا یا سند میں انقطاع ہونا۔

''**اس کے احکام:** روایت کو قبول کرنا یا مسترد کرنا۔

''**راویوں کے احوال:** ان کی عدالت کو ماننا یا ان پر جرح کرنا.....۔

''**مرویات کی اقسام:** ان میں احادیث و آثار پر مشتمل مسانید، معاجم اور اجزاء وغیرہا شامل ہیں۔

''**متعلقات سے مراد:** محدّثین کی اصطلاحات کی معرفت ہے۔''

علم الحدیث کی حدود کا تعیّن

علم الحدیث کی تعریف، اس کی اقسام، موضوع اور شرائط وغیرہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ بنیادی طور پر اِس کی دونوں قسموں کا تعلق ''**حدیثِ رسول ﷺ کو روایت کرنے، اس کی انواع کو جاننے، شرائط و احکام کے اعتبار سے روایت کے قبول و رد اور راویوں کی جرح و تعدیل کے ساتھ ہے۔**''

(۱) سيوطي، تدريب الرّاوي، ۱: ۴۰، ۴۱

علم الحدیث کی حدود اور دائرہ کار جان لینے کے بعد ''علم الفقہ'' کی تعریف پر غور کرتے ہیں تاکہ ان دونوں کی روشنی میں ''فقہ الحدیث'' کی حدود اور دائرہ کار متعین ہو جائے اور تقابل کرتے ہوئے ان کے درمیان فرق قائم کیا جا سکے۔

(۲) علم الفقہ

هُو الْعِلمُ بالأحُكام الشَّرْعِيَّة الْعَمَلِيَّة الْمُكْتَسَب مِن أدِلَّتِها التَّفْصِيلِيَّة. (۱)

''فقہ اُن عملی شرعی احکام کا علم ہے جنہیں تفصیلی دلائل سے اخذ کیا گیا ہو۔''

تعریف کا مفہوم

فقہ کی درج بالا تعریف میں استعمال کیے گئے الفاظ کی تفہیم کے لیے ان کی فرداً فرداً مختصر وضاحت درج ذیل ہے:

ا۔ الْعِلْم سے مراد

مندرجہ بالا تعریف میں لفظ 'العِلم' سے واضح ہوتا ہے کہ فقہ بھی دیگر بے شمار علوم کی طرح ایک علم ہے۔ علم کے معنی کسی شے کو جاننے کے ہوتے ہیں۔ یہاں علم سے مراد ایسا علم ہے جس میں یقین اور ظن دونوں شامل ہیں کیونکہ احکام کبھی دلیل قطعی سے ثابت ہوتے ہیں اور کبھی دلیل ظنی سے (جس کا آگے بیان آ رہا ہے)۔ لفظِ ''علم'' چونکہ مطلقاً جاننے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے لہٰذا جب ہم کہتے ہیں کہ فقہ ایک علم ہے تو اس کا مزید تعین فقہ کی تعریف میں بیان کردہ لفظ 'الأحکام' سے ہوتا ہے۔

(۱) ۱۔ وهبه زحيلي، الوجيز فی أصول الفقه: ۱۴
۲۔ عبدالوهاب خلاف، علم أصول الفقه: ۱۱

۲۔ اَلْعِلْمُ بِالْأَحْکام

اَلْعِلْمُ بِالْأَحْکام سے مراد یہ ہے کہ فقہ، احکام کا علم ہے۔ احکام کا لفظ استعمال کرنے سے وہ تمام دیگر علوم فقہ کے دائرہ سے خارج ہو جاتے ہیں جن کا تعلق احکام سے نہیں مثلاً ذات و صفاتِ حقیقیہ اور افعال (کھڑا ہونا، پانی پینا وغیرہ) کا علم۔ احکام جمع ہے 'حُکْم' (قانون) کی۔ پس فقہ سے مراد ہے ''قوانین کا علم''۔ احکام یا قوانین کی بھی مختلف اقسام ہوتی ہیں لہٰذا احکام کی قسم کے تعین کے لیے بھی فقہ کی تعریف میں اگلا لفظ موجود ہے جو اَلشَّرْعِیَّة ہے۔

۳۔ اَلشَّرْعِیَّة

فقہ کی تعریف میں اَلْأَحْکام کے بعد اَلشَّرْعِیَّة کا لفظ استعمال کرنے سے فقہ کے دائرہ میں تخصیص ہوگئی کہ فقہ صرف ''شرعی احکام کا علم'' ہے جبکہ دیگر وہ تمام احکام جو شرعی نہیں فقہ کے دائرے سے خارج ہو گئے جیسے احکامِ حسی، احکامِ عقلی، تجرباتی احکام وغیرہ۔ شرعی احکام کے دائرے میں بھی بے شمار احکام آتے ہیں مثلاً ایمانیات، عقائد، عبادات، اعمال، مناکحات، اخلاقیات وغیرہ۔ فقہ کی تعریف میں دیئے گئے اَلفاظ کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اِن مختلف شرعی احکام میں سے جو قسم علم الفقہ کے لیے متعین کی گئی ہے اس کو اَلْعَمَلِیَّة کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔

۴۔ اَلْعَمَلِیَّة

فقہ کی تعریف میں لفظ اَلْعَمَلِیَّة کی وجہ سے فقہ کو صرف ان شرعی احکام کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے جن کا تعلق عمل سے ہے یا دوسرے لفظوں میں فقہ کے مفہوم میں مزید تعیین و تخصیص کر دی گئی ہے لہٰذا وہ تمام احکام جو عملی نہیں ہیں وہ علم الفقہ کی تعریف سے خارج ہو گئے مثلاً اعتقادی، وِجدانی، کلامی اور اخلاقی و روحانی وغیرہ۔

۵۔ اَلْمُکْتَسَب

اس کا مطلب ہے اخذ شدہ یا استنباط شدہ علم۔ لہٰذا فقہ میں وہ عملی شرعی احکام شامل ہوں گے جو غور وخوض اور استدلال کے بعد اخذ کیے گئے ہوں۔ ایسے احکام جو اخذ شدہ نہیں ہیں، یعنی جن میں غور وفکر اور اجتہاد کا عمل دخل نہیں وہ تمام فقہ کی تعریف سے خارج ہیں۔

جب یہاں تک بات طے ہوگئی کہ ''فقہ اخذ شدہ عملی شرعی احکام کا علم'' ہے۔ یہ احکام اخذ کہاں سے ہوں گے؟ اور ان کے مآخذ ومراجع کیا ہوں گے؟ اس کا جواب فقہ کی تعریف میں درج لفظ أَدِلَّتُها التَّفْصِيلِيَّة میں موجود ہے۔

۶۔ أَدِلَّتُها التَّفْصِيلِيَّة

اس لفظ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فقہ کے دائرے میں وہ احکام شامل ہیں جنہیں تفصیلی دلائل سے اخذ کیا گیا ہو۔ لہٰذا

''وہ تمام احکام جنہیں غور وفکر سے دلائلِ احکام یعنی مصادرِ قوانین مثلاً قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس وغیرہ سے اخذ کیا گیا ہو فقہ کی تعریف میں شامل ہیں۔''

جو احکام 'دلائل' کے علاوہ حاصل ہوں گے وہ فقہ کی تعریف میں نہیں آئیں گے۔ اس کے علاوہ اس میں مقلّد کا علم بھی شامل نہیں ہوگا کیونکہ یہ مصادرِ قوانین سے خود براہِ راست اخذ نہیں کیا گیا ہوتا بلکہ کسی فقیہ یا مجتہد کے علم کی بنا پر حاصل شدہ ہوتا ہے۔

علم الفقہ کا دائرہ کار

درجِ بالا تعریف اور اس کی وضاحت سے علم الفقہ کا دائرہ کار درج ذیل الفاظ میں متعین ہوگیا، یعنی

’’ایسے تمام اعمال و افعال جن کا تعلق عملی شرعی احکام سے ہوگا وہ فقہ کے دائرہ کار میں آئیں گے۔ مثلاً عبادات، معاملات، اور وہ احکام جن میں جرائم اور ان کی سزاؤں کا بیان ہو مثلاً قتل، چوری، ڈاکہ، غصب اور آبروریزی وغیرہ کی سزا۔‘‘

جن احکام کا تعلق عملی شرعی احکام سے نہیں مثلاً اخلاقیات اور ایمانیات وغیرہ وہ فقہ کے دائرہ کار میں شامل نہیں ہیں۔

علم الفقہ کا موضوع

اِس علم میں مکلّف کے احوالِ فعل سے بحث ہوتی ہے۔ یعنی نصوصِ قرآن و حدیث میں وارد ہونے والا فعل مکلّف پر فرض ہے یا واجب، سنت ہے یا مستحب، حرام ہے یا مکروہِ تحریمی، اساءت ہے یا مکروہِ تنزیہی یا مباح۔

علم الفقہ کا دائرہ کار اور اس کا موضوع جاننے کے بعد اس بات کا تعین ہوا کہ فقہ الحدیث کا تعلق ’’دراصل حدیث کے عملی شرعی اَحکام اور حدیث میں وارد ہونے والے فعل کا طلبِ فعل یا طلبِ ترکِ فعل کے لحاظ سے درجہ متعین کرنے کے ساتھ ہے۔‘‘

(۳) علم الحدیث اور فقہ الحدیث میں فرق

درج بالا بحث سے ثابت ہوا کہ فقہ الحدیث کی حدود اور دائرہ کار علم الحدیث سے قطعی مختلف اور جدا ہے۔ علم الحدیث یعنی رِوایۃ الحدیث اور دِرایۃ الحدیث کا دائرہ کار حدیث کی سند اور ظاہری الفاظِ حدیث کے ساتھ منسلک ہے۔ روایۃ الحدیث کی شکل میں یہ متن کے ساتھ اس طرح متعلق ہے کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث اخبارِ صحابہ اور آثارِ تابعین یعنی موقوفاً اور مقطوعاً کی بجائے مرفوعاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف قولاً، فعلاً، تقریراً، صفتہً اور حالاً منسوب ہے۔ دِرایۃ الحدیث سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ

قوت وضعف کے اعتبار سے حدیث کس درجہ کی ہے، اس کا شمار مقبول احادیث کی انواع میں سے کسی نوع میں کیا جائے گا یا کسی مردود نوع میں کیا جائے گا؟ راوی پر عدالت وضبط کے قواعد اور شرائط کی رو سے جرح و تعدیل میں سے کون سا حکم لگایا جائے گا؟ راوی کو تعدیل کے اعتبار سے أصْدَقُ النّاس یا أثْبتُ الناس یا أوثَق الناس، ثِقَة ثِقَة یا ثِقَة ثَبت، ثِقَة یا حُجّة، صَدُوق یا مَحَلُّه الصِّدق یا لا بأسَ به، فلان شَیخٌ یا رَوَی عنه الناسُ، صالِحُ الحدیث یا یُکتَبُ حدیثُه، صدوق سیِّءُ الحِفظ یا صدوقٌ له أوْهام کس درجہ میں رکھا جائے گا؟ اسی طرح جرح کے اعتبار سے کوئی راوی اگر مجروح ہو مثلاً اسے مَستُور یا مَجهولُ الحال، ضَعِیف، مجهول یا لا یُعرَف، مَتْرُوک یا مَتروکُ الحدیث، مُتَّهَم بالکذب یا مُتَّهم بالوضع، کَذَّاب یا وَضَّاع یا یَضَعُ الحدیث جیسے الفاظ سے گردانا گیا ہو تو اس کی روایت کو کس درجہ پر رکھا جائے گا؟ روائ حدیث نے اپنے شیخ سے حدیث قرأۃً، سماعاً، اِجازتاً، مناولتاً، کتابتاً، وصیتاً یا وِجادتاً کس طریق سے حاصل کی ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جو علم الحدیث سے تعلق رکھتے ہیں۔

کسی بھی رِوایت کو ان تمام اَسالیب پر پرکھنے کے بعد اس کے قبول اور رَد کا تو علم ہو جاتا ہے لیکن اِس سے حدیث میں موجود حکم سے مکلّف کو آگاہی حاصل نہیں ہوتی کہ اس پر کیا چیز فرض ہوئی یا کون سی سنت قرار پائی، اسی طرح کون سی چیز اس پر حرام قرار دی گئی یا کون سی چیز مکروہ کے درجہ میں آئی؟ کیا طلبِ فعل پر مشتمل تمام احادیثِ صحیحہ پر فرض و واجب اور طلبِ ترکِ فعل پر حرام ومکروہِ تحریمی کا حکم لگایا جائے گا؟ اِس کے برعکس کیا تمام ضعیف احادیث کو یکسر صرفِ نظر کر دیا جائے گا یا انہیں کسی صورت قبول کیا جائے گا؟ کیا ظاہراً دو باہم متضاد و متعارض احادیث کو نظر انداز کر دیا جائے گا یا اُن کے درمیان تطبیق کی کوئی صورت نکالی جائے گی؟

اِن سوالات کے ساتھ ساتھ پھر حدیث میں کہیں لفظ عام ہے کہیں لفظ خاص، کہیں مطلق ہے کہیں مقید، کہیں امر کا اسلوب ہے کہیں نہی کا، کہیں لفظِ مشترک ہے، کہیں

اسلوب کنایۃً ہے کہیں صریح، اِن اَسالیب کی بناء پر حدیث سے کون سا حکم کیسے اخذ ہوگا؟ یہی وہ بنیادی سوالات ہیں جن کے جوابات دینے کے لیے علمِ فقہ الحدیث معرضِ وجود میں آیا۔ فقہ الحدیث ہی کی بدولت کسی حدیث میں موجود حکم سے صحیح اور کامل آگاہی ہوتی ہے۔ علم الحدیث اور فقہ الحدیث کے درمیان بنیادی فرق کو ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے:

”علم الحدیث ..... رِوایۃ الحدیث اور رُواۃ الحدیث کے احوال پر بحث کرتا ہے جبکہ فقہ الحدیث ..... الفاظ الحدیث، معانی الحدیث اور حدیث میں اختیار کردہ مختلف اسالیب پر غور وفکر کرنے کا نام ہے۔“

علم الحدیث اور فقہ الحدیث کے درمیان اِسی فرق کو محدّثین نے بھی بیان کیا ہے:

۱۔ امام بخاری اور امام مسلم کے شیخ امام علی بن عبداللہ المعروف ابنِ مدینیؒ (متوفی ۲۳۴ھ) فرماتے ہیں:

التفقّه فی معاني الحديث نصف العلم ومعرفة الرّجال نصف العلم. (۱)

”حدیث کے معانی میں غور و خوض کرنا نصف علم ہے اور رواۃِ حدیث کے حالات سے آگاہی حاصل کرنا باقی نصف علم ہے۔“

۲۔ صاحب السنن امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ (۲۷۹ھ) نے غسلِ میت پر فقہاء کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

و كذلک قال الفقهاء، و هم أعلم بمعانی الحديث. (۲)

(۱) ۱۔ رامهرمزی، المحدّث الفاصل، ۱: ۳۲۰

۲۔ ذهبی، سير أعلام النبلاء، ۱۱: ۴۸

(۲) ترمذی، الجامع الصحيح، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی غسل الميت، ۳: ۳۱۵، رقم: ۹۹۰

’’فقہاء نے اسی طرح کہا ہے اور وہ حدیث کے معانی کو زیادہ جانتے ہیں۔‘‘

۳۔ محدّث الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) نے درج ذیل الفاظ میں دونوں علوم کی حدود کو تفصیل سے بیان کیا ہے:

وإن هذا العلم له طبقات، ولأصحابه فيما بينهم درجات، وله قُشُوْرٌ داخلها لُبٌّ، وأَصْدَافٌ وَسطُها دُرٌّ.

وقد صَنَّفَ العلماءُ رحمهم الله في أكثر الأبواب ما تَقْتَنِصُ به الأوَابِدُ، وتُذَلِّلُ به الصِّعَابُ، وإن أقرَبَ القُشُورِ إلى الظاهر فَنُّ معرفة الأحاديث صِحَّةً و ضُعفاً، واستفاضةً و غرابةً، وتَصَدَّى له جهَابذةُ المحدّثين والحفّاظ من المتقدّمين، ثم يتلوه فنّ معاني غريبها وضبطِ مُشكَلها، وتَصَدَّى له أئمّةُ الفُنون الأدبيّة والمُتَّقِنُون مِن عُلماء العربيّة.

ثم يتلوه فنّ معانيه الشرعيّة، واستنباط الأحكام الفرعيّة، والقياس على الحكم المنصوص في العبارة، والاستدلال بالإيماء والإشارة، ومعرفة المنسوخ، والمحكم، والمرجوح والمبرم، وهذا بمنزلة اللّب والدر عند عامة العلماء وتصدّى له المحقّقون من الفقهاء.(۱)

’’علم الحدیث کے مختلف طبقات ہیں اور محدّثین کے مابین بھی کئی درجات ہیں، علم الحدیث کے فنون چھلکے کی مانند ہیں جن میں مغز پوشیدہ ہے یا ان سیپیوں کی مانند ہیں جن کے وسط میں موتی چھپا ہے۔

(۱) شاه ولی الله، حجة الله البالغة، ۱: ۴

’’محدّثین نے حدیث کے اکثر فنون پر تصانیف لکھی ہیں جن سے حدیث کا ہر غریب معنٰی سمجھ آ جاتا ہے اور مشکلات رفع ہو جاتی ہیں۔ علم الحدیث کے فنون میں چھلکے کی مانند وہ فن ہے جس کی بدولت احادیث کی صحت، ضعف، شہرت اور غرابت کا پتہ لگایا جاتا ہے۔ اس فن میں نقّاد محدّثین اور متقدم حفاظِ حدیث نے خدمت سرانجام دی ہے۔ پھر علم الحدیث میں ہی احادیث کے غریب الفاظ کے معانی اور مشکل آثار کو ضبط کرنے کا فن ہے جس کو فنونِ ادب کے ائمہ اور لغتِ عرب کے جید علماء نے بخوبی نبھایا ہے۔

’’پھر اس کے بعد علم الحدیث کا ہی ایک فن یہ بھی ہے کہ اس کے شرعی معانی کو سمجھا جائے، اس سے فروعی احکام کا استنباط کیا جائے، عبارت میں موجود حکمِ منصوص پر قیاس کیا جائے، اشارہ و کنایہ سے استدلال کیا جائے، منسوخ، محکم، مرجوح اور مبرم حدیث کی معرفت حاصل کی جائے۔ یہی وہ فن ہے جو علماء کے نزدیک علم الحدیث کے تمام فنون میں مغز اور موتی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس فن میں خدمت سرانجام دینے والے محققین حضرات ہی فقہاء کہلاتے ہیں۔‘‘

۲۔ علم الحدیث اور فقہ الحدیث میں فرق کا اَحادیث سے اِستدلال

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ سے بھی علم الحدیث اور فقہ الحدیث کے درمیان فرق کا استنباط ہوتا ہے۔ براہِ راست اپنے نکتہ پر آنے سے پہلے ہم احادیث کی روشنی میں علم الحدیث اور فقہ الحدیث کے فضائل بیان کریں گے تاکہ اپنی اپنی سطح پر دونوں علوم کی اہمیت قارئین پر اجاگر ہو جائے۔

(۱) احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں علم الحدیث کے فضائل

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے ارشادات اور فرامینِ مبارکہ میں علم الحدیث، طالبِ علم الحدیث اور محدّث کے فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر منٰی میں قربانی کے دن فرمایا:

أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: اللَّهُمَّ اشْهَدْ، فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ.(۱)

’’کیا میں نے تمہیں دین پہنچا دیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! گواہ رہنا، (پھر آپ نے صحابہ سے فرمایا:) پس (تم میں) ہر حاضر، ہر غائب کو یہ پیغام پہنچا دے، بہت سے بات وصول کرنے والے سننے والے سے زیادہ حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں۔‘‘

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب الخطبة أيام منى، ۲: ۶۲۰، رقم: ۱۶۵۴

۲۔ أيضا، کتاب العلم، باب قول النبی ﷺ: رب مبلغ أوعى من سامع، ۱: ۳۷، رقم: ۶۷

۳۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب من بلغ علما، ۱: ۸۵، رقم: ۲۳۳

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۴۹

۵۔ ابن جارود، المنتقى من السنن المسندة، ۱: ۲۱۲، رقم: ۸۳۳

تَسْمَعُوْنَ وَ يُسْمَعُ مِنْكُمْ، وَ يُسْمَعُ مِمَّنْ سَمِعَ مِنْكُمْ. (۱)

''(اے میرے صحابہ!) تم مجھ سے حدیث سماع کرتے ہو اور تم سے بھی سنی جائے گی اور جس نے تم سے سماع کیا اس سے بھی سنی جائے گی۔''

۳۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حَدِّثُوْا عَنِّيْ وَلَا تَكْذِبُوْا عَلَيَّ، وَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ تَبَوَّأَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (۲)

''تم مجھ سے حدیث بیان کیا کرو اور مجھ پر جھوٹ مت باندھا کرو، جس شخص نے جان بوجھ کر جھوٹ کو میری طرف منسوب کیا تو اس نے ضرور اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لیا۔''

۴۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَاءَنَا. قُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللهِ، وَمَا خُلَفَاؤُكُمْ؟ قَالَ: الَّذِيْنَ يَأْتُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ يَرْوُوْنَ أَحَادِيْثِي وَ سُنَّتِي وَ يُعَلِّمُوْنَهَا

(۱) ۱۔ ابو داؤد، السنن، کتاب العلم، باب فضل نشر العلم، ۳: ۳۲۱، رقم: ۳۶۵۹

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۲۱، رقم: ۲۹۴۷

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۲۶۲، رقم: ۶۲

۴۔ بیہقی، السنن الکبری، ۱۰: ۲۵۰

۵۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۱: ۱۷۴، رقم: ۳۲۷

(۲) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۶، رقم: ۱۱۴۴۲

۲۔ ابو یعلی، المسند، ۲: ۴۱۶، رقم: ۱۲۰۹

۳۔ بیہقي، السنن الکبری، ۱: ۴۰۵، رقم: ۷۲۴

النَّاسَ.(۱)

’’اے اللہ! ہمارے خلفاء پر رحم فرما۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے خلفاء کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے، وہ میری احادیث اور سنت کو روایت کریں گے اور انہیں لوگوں کو سکھائیں گے۔‘‘

۵۔ امام ہارون العبدی سے روایت ہے کہ ہم حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے ہم سے کہا: حضور نبی اکرم ﷺ کی وصیت کے لیے خوش آمدید ہو۔ ہم نے ان سے پوچھا:

وَمَا وَصِيَّةُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: سَيَأْتِي مِنْ بَعْدِي قَوْمٌ يَسْأَلُوْنَكُمُ الْحَدِيْثَ عَنِّي، فَإِذَا جَاؤُوْكُم فَالْطُفُوْهُمْ وَحَدِّثُوْهُمْ.(۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ کی وصیت کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہم سے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عنقریب میرے بعد لوگ آ کر تم سے میری حدیث کے متعلق سوال کریں گے، پس جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم ان کے ساتھ نرمی سے پیش آنا اور ان سے حدیث بیان کرنا۔‘‘

علم الحدیث کا رتبہ اِس قدر بلند ہے کہ تاجدارِ کائنات ﷺ نے اس کے حصول کے لیے وصیت فرمائی ہے، علم الحدیث کے وارثان کو اپنے خلفاء قرار دیا ہے اور علم الحدیث کی تبلیغ و ترویج کو ہر سننے والے حاضر و موجود پر لازم قرار دیا ہے۔ اِن خوش بختیوں سے

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۶: ۷۷، رقم: ۵۸۴۶
۲۔ رامهرمزی، المحدث الفاصل بين الراوي والواعي، ۱: ۱۶۵
۳۔ منذری، الترغيب والترهيب، ۱: ۶۲، رقم: ۱۵۴
۴۔ هيثمی، مجمع الزوائد: ۱: ۱۲۶
(۲) رامهرمزی، المحدث الفاصل بين الراوي والواعي، ۱: ۱۷۶

کوئی سعادت مند ہی بہرہ ور ہوسکتا ہے۔ یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہے کہ فقہ الحدیث کی بنیاد اور اصل علم الحدیث ہی ہے۔ اگر علم الحدیث کو آگے امت تک پہنچانے والے محدّثین نہ ہوتے تو نہ فقہ وجود میں آتی اور نہ ہی کسی مسئلہ کا حل ہمیں براہِ راست قرآن سے ملتا۔

(۲) احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں فقہ الحدیث کے فضائل

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح علم الحدیث کے فضائل بیان فرمائے ہیں، اسی طرح فقہ الحدیث، متعلمِ فقہ الحدیث اور فقیہ کے فضائل بھی بیان فرمائے ہیں۔ احادیثِ مبارکہ میں بعض مقامات پر لفظِ 'فقہ' کو دین کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے جس سے قرآن و حدیث ہی کا فہم مراد ہے جبکہ بعض مقامات پر مطلقاً ذکر آیا ہے۔ اِن احادیث میں اصل مقصود ''فقہ'' کا حصول ہی ہے چاہے وہ فقہ القرآن کی شکل میں ہو یا فقہ الحدیث کی شکل میں۔ چند احادیثِ مبارکہ درج ذیل ہیں:

۱۔ 'فقہ' کی اہمیت کے ہی پیشِ نظر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کو یہ دعا دی:

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ. (۱)

''اے اللہ! اس کو دین کی فقہ (یعنی قرآن و حدیث کی سوجھ بوجھ) عطا فرما۔''

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الوضوء، باب وضع الماء عند الخلاء، ۱: ۶۶، رقم: ۱۴۳

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵: ۵۳۱، رقم: ۷۰۵۵

۳۔ ابن راهویه، المسند، ۱: ۲۳۰

۴۔ حاکم، المستدرك، ۳: ۶۱۵، رقم: ۶۲۸۰

۵۔ ابن ابی عاصم، الآحاد و المثانی، ۱: ۲۸۷، رقم: ۳۸۰

بلا کر پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

إنّ أفضل النّاس أفضلهم عملا إذا فقهوا في دينهم.(۱)

''جب لوگ تفقہ فی الدین رکھتے ہوں تو پھر ان میں سب سے افضل وہ ہے جو ان میں عمل کے اعتبار سے افضل ہے۔''

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا عَبُدُاللهِ بِشَيْءٍ أَفْضَلَ مِنْ فِقْهٍ فِي دِيْنٍ، وَلَفَقِيْهٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ، وَلِكُلِّ شَيْءٍ عِمَادٌ وَعِمَادُ هَذَا الدِّيْنِ الْفِقْهُ.

فَقَالَ أَبُوْهُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ: لَأَنْ أَجْلِسَ سَاعَةً فَأَفْقَهَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُحْيِيَ لَيْلَةً إِلَى الْغَدَاةِ.(۲)

''اللہ کے بندے کی کوئی چیز تفقہ فی الدین سے بڑھ کر نہیں اور یقیناً ایک فقیہ ہزار عابدوں کی نسبت شیطان پر زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ ہر شے کا ایک ستون

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرك، ۲: ۵۲۲، رقم: ۳۷۹۰
۲۔طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۰: ۲۲۰، رقم: ۱۰۵۳۱
۳۔بیہقی، شعب الإیمان، ۷: ۶۹، رقم: ۹۵۱۰
۴۔حکیم ترمذی، نوادر الأصول فی أحادیث الرسول ﷺ، ۱: ۸۶
۵۔ابونعیم، حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء، ۴: ۱۷۷

(۲) ۱۔ دارقطنی، السنن، ۳: ۷۹، رقم: ۲۹۴
۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۶: ۱۹۴، رقم: ۶۱۶۶
۳۔ قضاعی، مسند الشهاب، ۱: ۱۵۰، رقم: ۲۰۶
۴۔ بیهقی، شعب الإیمان، ۲: ۲۶۶، رقم: ۱۷۱۲
۵۔ منذری، الترغیب والترهیب، ۱: ۵۸، رقم: ۱۳۷

ہوتا ہے اور اس دین کا ستون فقہ ہے۔

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے ایک ساعت بیٹھ کر دین کی فقہ (سمجھ بوجھ) حاصل کرنا ساری رات (عبادت میں) بسر کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ میں جہاں فقہاء کی عابدوں پر فضیلت کا بیان ہوا ہے وہاں تفقہ فی الدین کی باقی علوم پر فضیلت کا بھی بیان ہے۔

۴۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَفْضَلُ الْعِبَادَةِ الْفِقْهُ، وَ أَفْضَلُ الدِّيْنِ الْوَرَعُ. (۱)

’’افضل عبادت فقہ (یعنی قرآن و حدیث میں سوجھ بوجھ حاصل کرنا) ہے اور افضل دین (زہد و) ورع ہے۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ سے مستفاد ہوا کہ قربِ الٰہی کے حصول کے لیے سب سے بہترین راہ فقہ فی الدین کو قرار دیا گیا ہے۔ انسان حتیٰ کہ جنات کی تخلیق کا مقصد بھی اللہ رب العزت نے اپنی عبادت کرنا بیان فرمایا ہے اور اِسی عبادت کو دین میں بلند درجہ سمجھ بوجھ کے حصول کے ساتھ مشروط کر دیا ہے کیونکہ انسان فہمِ دین کی بدولت ہی عبادت کا حق کما حقہ ادا کرسکتا ہے جو کسی اور ذریعہ سے ادا نہیں ہوسکتا۔

فقیہ کا درجہ اور مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ کسی منافق کی قسمت میں یہ رتبہ نہیں لکھا جاتا۔

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۹:۱۰۷، رقم: ۹۲۶۴
۲۔ أیضاً، المعجم الصغیر، ۲:۲۵۱، رقم: ۱۱۱۴
۳۔ قضاعی، مسند الشهاب، ۲:۲۴۹، رقم: ۱۲۹۰
۴۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۱:۳۵۴، رقم: ۱۴۲۲
۵۔ منذری، الترغیب والترهیب، ۲:۳۵۲، رقم: ۲۶۹۱

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِيْ مُنَافِقٍ: حُسْنُ سَمْتٍ وَلَا فِقْهٌ فِي الدِّيْنِ.(۱)

’’دو خصلتیں ایسی ہیں جو منافق میں جمع نہیں ہوتیں: اچھا کردار اور دین کی سمجھ بوجھ۔‘‘

(۳) اَحادیث سے علم الحدیث اور فقہ الحدیث کے فرق پر اِستدلال

بعض احادیثِ مبارکہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم الحدیث اور فقہ الحدیث کے درمیان فرق کو بخوبی اجاگر کیا ہے۔ ان احادیث کا مطالعہ کرنے سے کوئی بھی عقلِ سلیم رکھنے والا شخص بذاتِ خود یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ ’’**بے شک علم الحدیث اور فقہ الحدیث، علوم الحدیث کی دو الگ الگ شاخیں ہیں۔**‘‘ ان میں علم الحدیث کو تسلیم کرنا اور فقہ الحدیث کا انکار کرنا یا فقہ الحدیث کو قبول کرنا اور علم الحدیث کا رد کرنا محض عدمِ علم، جہالت اور تعصب پر مبنی ہے۔ ان دونوں علوم کا علیحدہ علیحدہ تشخص اور وجود ماننے میں ہی عافیت اور بہتری ہے۔

(الف) تفقہ فی الدین پر مبنی حدیثِ مبارکہ سے استدلال

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی فضل الفقه علی العبادة، ۵: ۴۹، رقم: ۲۶۸۴

۴۔ قضاعی، مسند الشهاب، ۱: ۲۱۰، رقم: ۳۱۸

۵۔ عبداللہ بن مبارك، الزهد، ۱: ۱۵۶، رقم: ۴۵۹

مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ، وَ إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَ اللهُ يُعْطِي. (۱)

’’اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو فقہ (قرآن و حدیث کی سمجھ اور پختگی) عطا فرما دیتا ہے، اور میں ہی تقسیم کرنے والا ہوں جبکہ اللہ تعالیٰ مجھے عطا فرمانے والا ہے۔‘‘

شرح الحدیث

اس حدیثِ مبارکہ میں خصوصی طور پر دو نکات بیان ہوئے ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین (یعنی قرآن و حدیث) کی فقہ اور فہم عطا فرما دیتا ہے۔

۲۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عطائے الٰہی کو تقسیم فرمانے والے ہیں۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقهه فی الدین، ۱: ۳۹، رقم: ۷۱

۲۔ أیضاً، کتاب فرض الخمس، باب قول اللہ تعالی: فأن للہ خمسه وللرسول، ۳: ۱۱۳۴، رقم: ۲۹۴۸

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب النهی عن المسألة، ۲: ۷۱۹، رقم: ۱۰۳۷

۴۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب إذا أراد اللہ بعبد خیرا فقهه فی الدین، ۵: ۲۸، رقم: ۲۶۴۵

۵۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب فضل العلماء و الحث علی طلب العلم، ۱: ۸۰، رقم: ۲۲۰

۶۔ مالك، الموطأ، ۲: ۹۰۰، رقم: ۱۵۹۹

۷۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۳۴، رقم: ۷۱۹۳

(۱) بھلائی پر مشتمل ارادۂ الٰہی: فقہ الحدیث میں پوشیدہ ہے

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر و بھلائی کا ارادہ فرمانا چاہتا ہے اس کے ذہن و دماغ اور سینہ و دل کو دین کی فقہ اور اس میں تدبر و تفکر کے لیے کھول دیتا ہے۔ بالفاظ دیگر جس کو قرآن وحدیث کی فقہ اور دین کا تدبر و تفکر نصیب ہو جائے وہ سمجھ جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ساتھ بھلائی کی جا رہی ہے۔ ائمہ حدیث کی نظر میں اس حدیث کی شرح دیکھتے ہیں۔

۱۔ امام ابنِ حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

ومفهوم الحديث أنّ من لم يتفقّه في الدين أی يتعلّم قواعد الإسلام وما يتّصل بها من الفروع فقد حرم الخير. (۱)

''اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص دین میں تفقہ (سمجھ بوجھ) حاصل نہیں کرتا یعنی اسلام کے قواعد اور ان سے متصل فروع نہیں سیکھتا وہ خیر سے محروم رہتا ہے۔''

۲۔ اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام عسقلانیؒ آگے رقم طراز ہیں:

وفي ذلک بيان ظاهر لفضل العلماء علی سائر الناس، ولفضل التفقّه فی الدّين علی سائر العلوم. (۲)

''اسی بیان سے یہ ظاہر ہے کہ علماء کو تمام لوگوں اور تفقہ فی الدین کو تمام علوم پر فضیلت حاصل ہے۔''

۳۔ امام شہاب الدین قسطلانیؒ (۹۲۳ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

---

(۱) عسقلانی، فتح الباری، ۱: ۱۶۵

(۲) عسقلانی، فتح الباری، ۱: ۱۶۵

كلّ واحد منكم من الفهم على قدر ما تعلّقت به إرادته تعالى فالتفاوت في أفهامكم منه سبحانه. وقد كان بعض الصحابة يسمع الحديث فلا يفهم منه إلا الظاهر الجليّ، ويسمعه آخر منهم أو من القرن الذي يليهم أو ممّن أتى بعدهم فيستنبط منه مسائل كثيرة. وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء.(۱)

’’تم میں سے ہر ایک کو فہم میں سے اتنا ہی حصہ ملتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس سے متعلق ہوتا ہے پس تم میں سے ہر ایک کے فہم میں تفاوت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہے۔ بعض صحابہ کرام حدیث کو سن کر صرف اس کا ظاہری معنٰی سمجھتے تھے مگر بعض دوسرے صحابہ یا ان سے متصل زمانہ کے تابعین یا ان کے بعد آنے والے حضرات اسی حدیث کو سن کر کثیر مسائل کا استنباط کر لیتے تھے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرمائے۔‘‘

پس حدیثِ مذکور سے معلوم ہوا کہ نصوص کی خبر ہونا اور ان میں تدبر و تفقہ حاصل ہونا دو مختلف علوم ہیں۔ ان میں ایک سماعتِ حدیث کی شکل میں علم الحدیث ہے جبکہ دوسرا فہمِ حدیث کی شکل میں فقہ الحدیث ہے۔

(۲) تفقہ فی الدین کی خیرات حضور نبی اکرم ﷺ کے در سے ملتی ہے

درج بالا حدیثِ مبارکہ میں آگے اس بھلائی کے عطا ہونے کا طریقہ بھی یوں بیان فرمایا: وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَ اللهُ يُعْطِي۔ اللہ تعالیٰ یہ خیر کیسے عطا کرتا ہے؟ إِنَّمَا کلمۂ حصر ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بات بیان ہو رہی ہے وہ اسی میں محصور ہے، یعنی اس کے گرد چار دیواری لگا دی گئی ہے۔ حدیث میں کلمۂ حصر لانے کی وجہ یہ ہے کہ بے شک ’’اللہ عطا کرتا ہے‘‘ مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ایسے ہی ہر ایک کو عطا کر دے گا۔ اس

(۱) ۱۔قسطلانی، إرشاد الساری لشرح صحیح البخاری، ۱: ۱۷۰

میں کوئی شک نہیں کہ ذاتِ باری تعالیٰ ہی قادرِ مطلق، فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ اور معطیِ حقیقی ہے اور سب کچھ اسی کی طرف سے عطا ہوتا ہے مگر اس کے عطا کرنے کا ایک طریقہ و اسلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے کے اسی طریقے کو حضور نبی اکرم ﷺ نے بتلایا ہے کہ اللہ براہِ راست مجھے عطا کرتا ہے، پھر جب وہ مجھے عطا کرتا ہے تو میں ہی تم میں تقسیم کرتا ہوں۔ اس لیے جسے بھی تفقہ فی الدین کی شکل میں اللہ رب العزت کی طرف سے خیر چاہیئے وہ حضور ﷺ کے درِ اقدس پہ دامن پھیلائے اور دستِ سوال دراز کرے کہ اللہ جلّ مجدہ کی تمام خیرات یہاں تقسیم ہو رہی ہے۔

(ب) سامعِ حدیث اور فقیہِ حدیث پر مشتمل حدیثِ مبارکہ سے استدلال

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

نَضَّرَ اللهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيْثًا فَحَفِظَهُ حَتَّى يُبَلِّغَهُ غَيْرَهُ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، وَ رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيْهٍ.(۱)

"اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے حدیث سن کر اسے یاد رکھا یہاں تک کہ اسے آگے اپنے علاوہ کسی اور کو پہنچا دیا۔ پس بہت سے سمجھ بوجھ

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب فی الحث علی تبلیغ السماع، ۵: ۳۳، رقم: ۲۶۵۶

۲۔ ابو داؤد، السنن، کتاب العلم، باب فضل نشر العلم، ۳: ۳۲۲، رقم: ۳۶۶۰

۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب المقدمة، باب من بلغ علما، ۱: ۸۴، رقم: ۲۳۵

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۱۸۳، رقم: ۲۱۶۳۰

۵۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۳: ۴۳۱، رقم: ۷۴۷

۶۔ دارمی، السنن، ۱: ۸۶، رقم: ۲۲۹

رکھنے والے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو وہ روایت کرتے ہیں وہ ان سے زیادہ فقیہ ہوتے ہیں اور کتنے جاننے والے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ خود فقیہ نہیں ہوتے۔‘‘

شرح الحدیث

اس حدیث مبارکہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر محدّث اور فقیہ کے درمیان فرق بیان فرما دیا ہے اور اس میں درج ذیل تین تقسیمات بیان فرمائی ہیں:

۱۔ بعض حدیث روایت کرنے والے ایسے ہوتے ہیں جن کو احادیث میں تفقہ حاصل نہیں ہوتا۔ ان کا کام صرف آگے روایت کرنا ہوتا ہے۔

۲۔ دوسری قسم میں وہ محدّثین شامل ہیں جو جیسا حدیث کو سنتے ہیں حفظ کر کے ویسا ہی اسے آگے بیان فرما دیتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ اس کی کچھ سمجھ بوجھ بھی رکھتے ہیں۔

۳۔ ان دونوں قسموں کے درمیان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیسری قسم کے اُس طبقہ کو بھی بیان فرما دیا کہ جن تک حدیث پہنچتی ہے تو وہ حدیث بیان کرنے والے سے زیادہ فقیہ ہوتے ہیں۔

محدّثین کے بارے میں بیان کردہ پہلی دو قسموں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ محدّثین کا بنیادی کام درحقیقت حدیث کو آگے بیان کرنا ہے اس میں غور وخوض اور تدبر و تفکر کرنا نہیں جبکہ تیسری قسم سے پتہ چلا کہ احادیث میں فقہ و بصیرت سے کام لینا اور ان سے مسائل کا استنباط کرنا بعض دیگر خوش نصیب افراد کے ذمہ ہے، وہ فقہاء کہلاتے ہیں۔

ان احادیث میں اس امر کی طرف صریح اشارہ ہے کہ احادیث کی صحت کو جانچ کر فقہاء تک پہنچانا محدّثین کے فرائضِ منصبی میں شامل ہے کیونکہ فقہاء نے امت کے لیے شریعت اور احکامِ دین کو مرتب و مدون کرنا ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

راوی کا فریضہ بیان فرما دیا کہ فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ لہٰذا ایک فقیہ، حدیث اور فقہ دونوں کا جامع ہوتا ہے جبکہ ایک محدّث کے پاس صرف احادیث کا ذخیرہ ہوتا ہے، اس لحاظ سے حدیث میں تفقہ اور فہم کے اعتبار سے فقیہ کو محدّث پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

احادیث کی مدد سے علم الحدیث اور فقہ الحدیث میں فرق کو واضح کرنے کے بعد ہم اب اسی موضوع پر ائمہِ فقہ و حدیث کی تصریحات نقل کر رہے ہیں۔

۳۔ محدّث اور فقیہ کے درمیان فرق پر ائمہ کی تصریحات

محدّث اور فقیہ کے امور میں فرق کی مزید وضاحت کے لیے ائمہ حدیث و فقہ کی تصریحات درج ذیل ہیں:

۱۔ امام ابوالفتح محمد بن محمد بن سید الناس الشافعیؒ (۷۳۴ھ) محدّث کے بارے میں فرماتے ہیں:

المحدّث فی عصرنا فهو: من اشتغل بالحديث رواية ودراية، وجمع رواة، واطّلع على كثير من الرواة والروايات فی عصره. (۱)

''ہمارے زمانے میں محدّث وہ کہلاتا ہے: جو رِوایۃً و دِرایۃً حدیث پر عبور رکھتا ہو، رواۃ کے بارے جانتا ہو، اپنے زمانہ کے کثیر راویوں اور روایات پر مطلع ہو۔''

۲۔ علامہ محمد ابو الفضل الوراقی الجیزاویؒ (۱۳۴۶ھ) محدّث کے بارے رقم طراز ہیں:

المحدّث هو الذي حفظ كثيرًا من الأحاديث وعلم عدالة الرجال وجرحهم. (۲)

(۱) سیوطی، تدریب الراوی، ۱: ۴۸

(۲) جیزاوی، الطراز الحدیث فی فن مصطلح الحدیث: ۸

’’محدّث کہلانے کا حق دار وہ شخص ہے جسے کثیر احادیث حفظ ہوں اور وہ راویوں کی جرح و تعدیل کا بھی علم رکھتا ہو۔‘‘

ان تعریفات سے معلوم ہوا کہ محدّث کا کام روایۃً اور درایۃً حدیث پر گہری نگاہ رکھنا ہے اور یہی اس کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ جبکہ اس کے مقابل فقیہ کا کام حدیث کے مضمون پر تدبر و تفکر کرنا ہے۔

۳۔ تابعی اور محدّث کبیر حضرت سلیمان بن مہران اعمشؒ (۱۴۷ھ) نے راویٔ حدیث اور فقیہِ حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے:

وليُعْلَم أن الإكثار من كتب الحديث وروايته لا يَصِيرُ بها الرجلُ فقيهاً، إنما يتفقّه باستنباط معانيه وإنعام التفكر فيه. (۱)

’’جاننا چاہیے کہ کثیر احادیث کو لکھنے اور روایت کرنے سے کوئی شخص فقیہ نہیں ہو جاتا بلکہ حدیث کے معانی میں استنباط کرنے اور ان میں غور و خوض کرنے سے ہی کوئی شخص فقیہ بنتا ہے۔‘‘

۴۔ علامہ عبدالرؤوف مناویؒ (۱۰۳۱ھ) اور محمد عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (۱۳۵۳ھ) نے راوی اور فقیہ کے درمیان فرق پر یوں تصریح کی ہے:

أن راوي الحديث ليس الفقه من شرطه إنما شرطه الحفظ، أما الفهم و التدبّر فعلى الفقيه. (۲)

’’بے شک حدیث کے راوی کے لیے فقہ کا ہونا شرط نہیں ہے بلکہ اس کے لیے صرف حفظِ حدیث کی شرط ہے جبکہ حدیث میں فہم و تدبر سے کام لینا فقیہ کی ذمہ داری ہے۔‘‘

(۱) خطیب بغدادی، نصیحة أهل الحديث، ۱: ۳۷

(۲) ۱۔ مناوی، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، ۶: ۲۸۴۔۲۸۵

۲۔ مبارکپوری، تحفة الأحوذی بشرح جامع الترمذی، ۷: ۳۴۸

۵۔ محدّث الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) نے اَلْمُصَفّٰی فِی شَرحِ المُوَطَّأ فارسی زبان میں تحریر کی جس کا مبسوط مقدمہ عربی زبان میں نقل کر لیا گیا ہے۔ اس میں انہوں نے محدّث اور مجتہد کا دائرہ کار بیان کرتے ہوئے ان کے درمیان فرق کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

فوظيفة المحدّث هي رواية الحديث، و تمييز التحريف من غيره وشرح الغريب، وبيان معنى العبارة حسب ما تقتضيه اللّغة العربيّة، و معرفة أسماء الرّجال جرحًا و تعديلاً، وضبطًا لمشكله، والحكم بصحّة الحديث أو ضعفه، والاعتبار بالشواهد والمتابعات والحكم عليه بالاستفاضة والغرابة و تسمية المبهم وما يشابه ذلک. و إذا بلغ المحدّث هذه المرتبة فقد ارتقى إلى ذروة الحفظ والضّبط والاتقان.

ووظيفة المجتهد تحديد الألفاظ الواردة التي يقع فيها الاشتباه و تعيين الأركان والشروط والآداب من كلّ شيء، و تعيين الندب أو الوجوب من الصيغ الدّالة على الأمر، وتعيين الكراهة أو الحرمة من الصيغ الدّالة على المنع، و معرفة علل الأحكام مع أدلّتها وإطلاق الحكم و تقييده حسب العلل، و معرفة القيود الاحترازية والاتفاقية منها، و استخراج قاعدة جامعة مانعة بالنظر إلى ذلک الإطلاق والتقييد والاحتراز والاتّفاق واستخراج الأقوال المخرجة ونقلها من باب إلى باب، وتفريع المسائل الحادثة على الأحكام المذكورة بدرج في العموم بالاقتضاء والإيماء والقياس والالتزام و أمثاله. وإذا تخالفت الأدلّة فيفصل

بينها بالتطبيق والجمع أو بنسخ أحدهما أو ترجيح أحدهما.[1]

’’**محدّث کے ذمہ یہ امور ہیں:** حدیث کو روایت کرنا، احادیث کے مابین لفظی تحریف میں تمیز کرنا، غریب الفاظ کی شرح کرنا اور لغتِ عرب کے مطابق عبارت کا معنٰی بیان کرنا، جرح و تعدیل کے اعتبار سے حدیث کے رواۃ کے ناموں کی معرفت رکھنا، بظاہر دو متضاد احادیث میں ضبط رکھنا، حدیث پر صحت اور ضعف کا حکم لگانا، حدیث کے توابع اور شواہد پر عبور رکھنا اور اس پر شہرت اور غرابت کا حکم لگانا اور مبہم وغیرہ کی مثل اطلاق کرنا۔ کوئی بھی محدّث جب حدیث میں اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے تو وہ حفظ، ضبط اور اتقان کی انتہاء کو پا لیتا ہے۔

’’**مجتہد کے ذمہ یہ امور ہوتے ہیں:** حدیث میں وارد ہونے والے مشتبہ الفاظ کی حد بندی، حدیث میں ارکان، شرائط اور آداب میں سے ہر ایک کی تعیین، امر پر دلالت کرنے والے صیغوں سے مستحب یا وجوب کا تعین، نہی پر دلالت کرنے والے صیغوں سے مکروہ یا حرام کا تعین، احکام کی علتوں تک ان کے دلائل سمیت رسائی اور علتوں کے لحاظ سے کسی حکم کے مطلق اور مقید ہونے کی نشاندہی کرنا، ان علتوں سے احترازی اور اتفاقی قیود کی معرفت، اس اطلاق و تقیید اور احتراز و اتفاق پر غور و فکر کرنے کے بعد جامع مانع قاعدہ کا استخراج کرنا اور کسی ایک مسئلہ کا دوسرے مسئلہ پر استنباط شدہ اقوال کا استخراج اور ان کو نقل کرنا، مختلف اسالیب اقتضاء النص، اشارۃ النص، قیاس اور التزام وغیرہا پر نظر رکھتے ہوئے پیش آمدہ مسائل پر مذکورہ احکام کا اطلاق کرنا۔ اسی طرح جب دلائل میں باہم تعارض ہو تو تطبیق اور جمع کے ذریعہ ان میں حدِّ فاصل قائم کرنا یا ان میں سے کسی ایک کو منسوخ یا ترجیح قرار دینا فقیہ کے امور میں سے ہیں۔‘‘

ائمہ کرام کی ان تصریحات سے محدّث اور فقیہ کی حدود کار واضح ہو جانے کے

(۱) شاه ولی الله، مقدمة المصفی، المسوی شرح الموطأ، ۱: ۴۶-۴۷

بعد اِن کے درمیان فرق نکھر کر سامنے آ گیا ہے۔ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر محدّث، فقیہ نہیں ہوتا مگر ہر فقیہ، محدّث ہوتا ہے کیونکہ محدّث ہوئے بغیر کوئی فقیہ ہی نہیں ہو سکتا۔ فقہ میں کوئی بھی اس وقت تک امام نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ حدیث میں امام نہ ہو مگر محدّث کے لیے لازم نہیں کہ وہ فقیہ بھی ہو کیونکہ فقیہ نہ بھی ہو تو وہ محدّث بن سکتا ہے لہٰذا ائمہِ صحاحِ ستّہ امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام حاکم اور اسی طرح دیگر جتنے محدّثین ہوئے ہیں ضروری نہیں کہ ان میں ہر کوئی فقہ میں بھی امام ہو مگر فقہ کے ائمہِ اربعہ امامِ اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالی اُس وقت تک فقیہ نہیں ہوئے جب تک کہ پہلے وہ علم الحدیث کے امام نہ بنے۔

۴۔ محدّث اور فقیہ کے درمیان فرق کے عملی نظائر

محدّث اور فقیہ و مجتہد کے مابین فرق کی حقیقت درج ذیل عملی نظائر اور مثالوں کی مدد سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔

(۱) محدّثین کی موجودگی میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی لاجواب فقاہت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد مجاہد بن جبیرؒ (۱۰۲ھ) فرماتے ہیں:

بينا نحن جلوس أصحاب ابن عباسٍ رضی اللہ عنہ: عَطاءٍ، طَاوُسٍ وَ عِكْرَمَةَ إذا جاء رجل، و ابن عبّاس قَائِمٌ يُصَلِّيْ. فَقَالَ: هل من مُفتي؟ فقلنا: سَلْ! فقال: إني كلّما بلت تبعه الماء الدافق، فقلنا: الذي يكون منه الولد؟ قال: نعم! فقلنا: عليك الغسل، فولى الرجل وهو يرجع. و عجّل ابن عباس في صلاته فلما سلّم، قال: ياعكرمة! عليّ بالرجل، فأتاه به، ثم أقبل علينا، فقال: أرأيتم ما

أفتيتم به هذا الرّجل عن كتاب الله؟ قلنا: لا! قال: فَمِن سنّة رسول الله ﷺ؟ قلنا: لا! قال: فعَن أصحاب رسول الله ﷺ؟ قلنا: لا! فقال ابن عبّاس: فعمن؟ قلنا: عن رأينا.

فقال: لذلک يقول رسول الله ﷺ: فقيه واحد أشدّ على الشّيطان من ألف عابد، ثم أقبل على الرجل فقال: أرأيت إذا كان ذلک منک هل تجد شهوة في قلبک؟ قال: لا! قال: فهل تجد خدرا في جسدک؟ قال: لا! قال: إنما هذا إبردة يجزيک منه الوضوء.(۱)

’’ہم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اصحاب عطاء، طاؤس اور عکرمہ چاروں بیٹھے ہوئے تھے جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ساتھ ہی نماز پڑھ رہے تھے۔ اسی دوران ایک شخص نے آ کر پوچھا کہ کیا کوئی فتوی دینے والا شخص موجود ہے؟ ہم نے کہا: آپ مسئلہ بیان کریں تو اس شخص نے کہا: میں جب بھی پیشاب کرتا ہوں تو پیشاب کے بعد ماءِ دافق نکلتا ہے (کیا اس سے غسل واجب ہو جاتا ہے؟) ہم نے پوچھا: کیا یہ وہی ماء دافق ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اس نے کہا: ہاں! اس پر ہم چاروں نے کہا کہ ہاں غسل واجب ہو جاتا ہے پس وہ شخص یہ جواب سن کر واپس چلا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے نماز سے جلد فارغ ہوکر سلام پھیرا اور عکرمہ سے فرمایا: اس شخص کو جلدی بلاؤ، جب وہ شخص آیا تو پہلے ہم سے پوچھا: کیا تم نے قرآن سے فتویٰ دیا ہے؟ ہم نے کہا: نہیں! آپ نے پوچھا: (کیا تم نے) حدیث سے

(۱) ۱۔ فریابی، کتاب الصیام، ۱: ۱۵۵۔ ۱۵۶
۲۔ فاکھی، اخبار مکۃ، ۱: ۱۸۲۔ ۱۸۳
۳۔ ھندی، کنز العمال، ۹: ۸۸۱، رقم: ۲۷۰۸۳

فتویٰ دیا ہے؟ ہم نے کہا: نہیں! فرمایا: (کیا تم نے) صحابہ کے اقوال سے فتویٰ دیا ہے؟ ہم نے کہا: نہیں! پھر فرمایا: آخر تم نے کس کے قول پر فتویٰ دیا؟ ہم نے کہا: اپنی رائے سے۔

''یہ سن کر انہوں نے فرمایا: اسی وجہ سے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک فقیہ، شیطان پر ہزار عابدوں کے مقابلے میں زیادہ بھاری ہوتا ہے۔ ہماری موجودگی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے پوچھا کہ یہ بتاؤ پیشاب کے وقت جو مادہ نکلتا ہے کیا اس وقت تمہارے دل میں کوئی شہوت پیدا ہوتی ہے؟ اس نے کہا: نہیں! پھر آپ نے دوسرا سوال کیا کہ کیا (مادہ نکلنے کے بعد) اعضاء میں استرخاء (ڈھیلا پن) ہوتا ہے؟ اس نے کہا: نہیں! اس پر آپ نے فرمایا: یہ ویسے ہی قطرے ٹپکتے ہیں تمہارے لیے صرف وضو ہی کافی ہے۔''

اس رِوایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ ماءِ دافق (قوی اور متحرک مادۂ تولید) کے لفظ پر ان محدّثین کو دھوکا ہوا ہے اور صرف 'ظاہری معنیٰ' کو دیکھتے ہوئے انہوں نے فرضیتِ غسل کا فتویٰ دے دیا ہے اور علتِ غسل پر غور نہیں کیا تو سمجھ گئے کہ ان میں کوئی بھی فقیہ نہیں، اگر فقیہ ہوتے تو علتِ غسل کی تشخیص ضرور کرتے۔ پھر جب آپ نے سوالات کر کے شرعی لحاظ سے تسلی کر لی کہ اس شخص کی بیان کردہ کیفیت میں علتِ غسل (یعنی جس منی کے نکلنے سے غسل فرض ہوتا ہے) کے لوازم نہیں پائے جاتے تو فتویٰ دیا کہ وہ منی ہی نہیں لہٰذا غسل بھی واجب نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ فقیہ کی جو تعریف وتوصیف احادیث میں وارد ہے اس کے لیے اعلیٰ درجہ کی سمجھ اور انتہائی گہرا غور وخوض درکار ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت مجاہد، عطاء، طاؤس اور عکرمہ رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اکابر محدّثین (جو مکہ مکرمہ سے احادیث لینے والے تقریباً کل محدّثین کے اساتذہ میں سے ہیں) کو فقیہ نہیں سمجھا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے علت کی تشخیص نہیں کی۔

فقیہ کی تعریف میں حضور نبی اکرم ﷺ کے بیان کردہ الفاظ کہ وہ شیطان کے مقابلہ میں ہزار عابدوں سے بہتر ہوتا ہے، کی وجہ یہی ہے کہ شیطان کا مقصودِ اصلی یہ ہوتا ہے کہ لوگوں سے خلافِ شرع کام کرائے کیونکہ ہمہ وقتی شاغلِ عبدیت کو عبادت سے اتنی فرصت کہاں ہوتی ہے کہ وہ معانیٔ نصوص اور مواقع اجتہاد میں غور و فکر کر کے خود ایسا حکم لگا سکے جو اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی کے مطابق ہو۔ اسی طرح محدّثین کو بھی ضبطِ متون اور تحقیقِ رجال وغیرہ فنونِ حدیث میں مصروف و مشغول ہونے کی بناء پر اس کی نوبت ہی نہیں آتی۔ یہ تو خالصتاً فقیہ کا شعبہ ہے جو ہر مسئلہ میں تمام متعلقہ احادیث اور ان کی علل کو پیشِ نظر رکھ کر اپنی فقیہانہ اور اجتہادانہ بصیرت سے اس کا حل بیان کرتا ہے۔

(۲) محدّثین کی موجودگی میں امام ابوثور کی لاجواب فقاہت

محدّث اور فقیہ کے درمیان فرق درج ذیل واقعہ سے بھی اظہر من الشمس ہو جاتا ہے جسے امام حسن بن عبدالرحمٰن رَامہُرمُزیؒ (۳۶۰ھ) اور ابوبکر خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) نے بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

محدّثین کے ایک مجمع میں امام یحییٰ بن معین، ابوخیثمہ اور خلف بن سالم موجود تھے جو کسی حدیث پر گفتگو کر رہے تھے کہ اس دوران ایک عورت نے آ کر ان سے مسئلہ پوچھا کہ کیا حائضہ عورت میت کو غسل دے سکتی ہے؟ ان میں سے کسی نے بھی اسے جواب نہ دیا اور سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ اتنے میں فقیہ ابوثور وہاں آئے تو اُن محدّثین نے اس عورت سے کہا کہ وہ اپنا یہ مسئلہ فقیہ صاحب کو بتلائے۔ سو وہ اپنا سوال لے کر ان کی طرف متوجہ ہوئی تو انہوں نے اس کے سوال پر یہ فتویٰ دیا کہ حائضہ عورت میت کو غسل دے سکتی ہے۔ دلیل کے طور پر انہوں نے یہ حدیث بیان کی جسے عثمان بن احنف نے قاسم سے اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا:

إِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِيْ يَدِكِ.(۱)

''تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں۔''

دوسری حدیث بھی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں:

كُنْتُ أَفْرُقُ رَأْسَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ بِالْمَاءِ وَ أَنَا حَائِضٌ.

''میں حالت حیض میں بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے سرِ انور میں پانی کے ساتھ کنگھا کرتی تھی۔''

امام ابوثور نے کہا کہ جب آپ پانی کے ساتھ کسی زندہ شخص کو کنگھا کر سکتی ہیں تو مردہ اس سے زیادہ مستحق ہے۔ یہ سنتے ہی ان کے پاس موجود محدّثین نے تصدیق کر دی کہ یہ روایت ہمیں فلاں فلاں طریق سے پہنچی ہے اور پھر مختلف طرق و روایات میں غور وخوض کرنے لگے، اس پر عورت نے ان سے مخاطب ہوکر کہا:

فَأَيْنَ كُنْتُمْ إِلَى الْآنَ.(۲)

''تم اب تک کہاں تھے۔''

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحیض، باب جواز غسل الحائض، ۱:۲۴۴، رقم:۲۹۸

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب الطهارة، باب ما جاء فی الحیض، ۱:۲۴۲، رقم: ۱۳۴

۳۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الطهارة، باب فی الحائض تناول من المسجد، ۱:۶۸، رقم: ۲۶۱

(۲) ۱۔ رامهرمزی، المحدث الفاصل، ۱: ۲۴۹۔ ۲۵۰

۲۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۶:۶۷

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث کو یاد رکھنا اور روایت کرنا محدّثین کا کام ہے جبکہ ان سے مسائل کا استخراج اور استنباط کرنا فقہاء کا کام ہے۔ محدّث، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ اقدس سے ادا ہونے والے الفاظ یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرزد ہونے والے کسی فعل یا عمل کو من وعن لفظ بلفظ بیان کر دیتا ہے۔ محدّث کے فرائض میں یہ شامل نہیں کہ وہ کسی حدیث کا مفہوم بیان کرے۔ اس کا کام فقط حدیث کو سن کر لفظ بلفظ آگے منتقل کرنا ہوتا ہے جیسے قرآن کا حافظ قرآن مجید یاد کر کے من وعن سنا دیتا ہے اسی طرح محدّث احادیث کو یاد کر کے صحتِ سند کے ساتھ لفظ بلفظ متن سنا دیتا ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ اس حدیث کے قرائن کیا ہیں؟ اس کا اطلاق کیا ہے؟ اس کے مختلف الفاظ کے معانی کیا ہیں؟ اس سے مراد کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ نصوص میں بیان کردہ احکام کے علل، ان کے مقامات، ان کے قرائن اور ان کے معانی کو صحیح صحیح طور پر متعین کر کے آگے سمجھانا اور اس طرح کے بہت سے سوالات کے جوابات دینا محدّث کا کام نہیں بلکہ فقیہ اور مجتہد کا کام ہے۔ اس بحث کو ہم خلاصۃً یوں بیان کر سکتے ہیں:

”راوی اور فقیہ میں فرق یہ ہے کہ راوی، محدّث جبکہ فقیہ، مجتہد ہوتا ہے لہٰذا جن لوگوں نے بڑی احتیاط سے احادیث بیان کی، وہ روایۃ الحدیث اور درایۃ الحدیث میں ماہر ہونے کی وجہ سے محدّثین بن گئے اور جن حضرات نے معانیٔ احادیث کی معرفت کے باعث ان میں موجود احکام کی علل اور اسباب کی تہہ میں پہنچ کر ان احادیث کے فہم و فراست کو امت تک پہنچایا اور فقہ الحدیث میں ماہر ہوئے وہ فقہاء بن گئے۔“

علم الحدیث اور فقہ الحدیث کے درمیان اسی بنیادی فرق کی وجہ سے محدّثین اور فقہاء کی تعداد میں ہر دور میں نمایاں فرق رہا ہے، اگر ہم صحابہ کرام کے احوال پر ہی طائرانہ نظر ڈالیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ان میں محدّثین اور فقہاء کے دو نمایاں طبقات تھے۔

۵۔ ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رُواۃِ حدیث تھے

ایک لاکھ چودہ ہزار سبھی کے سبھی صحابہ کرام رواۃِ حدیث اور محدّثین تھے، اس بات کو امام المحدّثین ابوزرعہ رازیؒ (۲۶۴ھ) نے بیان کیا ہے۔ خطیب بغدادیؒ نے الجامع لأخلاق الراوی و آداب السامع اور امام تقی الدین ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن المعروف ابنِ صلاحؒ نے اپنی تصنیف ''علوم الحدیث'' المعروف ''مقدمہ ابنِ صلاح'' میں اور بہت سے دیگر ائمہ حدیث نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے:

عن أبی زرعة الرازی أنه سئل عن عدّة من روی عن النبي ﷺ؟ فقال: ومن یضبط هذا؟ شهد مع النبي ﷺ حجّة الوداع أربعون ألفا، وشهد معه تبوک سبعون ألفا.

(وفی روایة أخری) قال له رجل: یا أبازرعة، أليس یقال: حدیث النبي ﷺ أربعة آلاف حدیث؟ قال: ومن قال ذا قَلْقَلَ اللهُ أنْیابَه، هذا قول الزنادقة. ومن یحصی حدیث رسول الله ﷺ قبض رسول الله ﷺ عن مائة ألف و أربعة عشر ألفا من الصّحابة ممّن روی عنه وسمع منه. فقال له الرّجل: یا أبازرعة، هؤلاء أین کانوا وسمعوا منه؟ قال: أهل المدینة وأهل مکة ومن بینهما والأعراب، ومن شهد معه حجّة الوداع کلّ رآه وسمع منه بعرفة.(۱)

(۱) ۱۔ خطیب بغدادی، الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع، ۲:۲۹۳، رقم:۱۸۹۳۔۱۸۹۴

۲۔ ابن صلاح، مقدمہ ابنِ صلاح:۳۰۵۔۳۰۶

۳۔ ابن کثیر، اختصار علوم الحدیث:۱۸۵

۴۔ زین الدین عراقی، فتح المغیث شرح ألفیة الحدیث:۳۴۵

۵۔ سخاوی، فتح المغیث شرح ألفیة الحدیث، ۳: ۱۲۲

’’امام ابوزرعہ الرازی سے سوال کیا گیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے کتنے صحابہ نے روایت کیا؟ آپ نے فرمایا: یہ تعداد کون بتا سکتا ہے؟ (البتہ راوی صحابہ کی تعداد کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ) حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ کے ساتھ چالیس ہزار صحابہ تھے اور غزوہ تبوک کے موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ ستر ہزار صحابہ تھے۔

’’(دوسری روایت میں ہے) ان سے ایک شخص نے پوچھا: ابوزرعہ! کیا یہ نہیں کہا جاتا کہ حضور ﷺ سے چار ہزار احادیث مروی ہیں؟ آپ نے فرمایا: جس شخص نے ایسا کہا ہے اللہ تعالیٰ اس کو برباد کرے، یہ زنادقہ کا قول ہے۔ کون شخص نبی اکرم ﷺ کی احادیث کا احاطہ کر سکتا ہے کیونکہ حضور ﷺ کے وصال کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ موجود تھے جنہوں نے آپ ﷺ سے حدیث روایت کی اور آپ ﷺ سے سماع کیا۔ اس شخص نے کہا: ابوزرعہ! یہ صحابہ کہاں قیام پذیر تھے اور کہاں انہوں نے آپ ﷺ سے سماع کیا؟ آپ نے فرمایا: یہ اہلِ مدینہ، اہلِ مکہ اور ان کے گرد و نواح کے رہائشی اور دیہاتی تھے، اِن میں وہ سارے حضرات بھی شامل ہیں جو آپ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے اور ان میں سے ہر ایک نے میدانِ عرفات میں آپ ﷺ کی زیارت بھی کی اور آپ ﷺ سے سماعِ حدیث بھی کی۔‘‘

امام ابوزرعہ جیسے جلیل القدر نقّادِ رجال اور معتبر ترین محدّث کی بیان کردہ اس روایت سے ثابت ہوا کہ کُل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور نبی اکرم ﷺ سے سماعتِ حدیث کا شرف حاصل تھا۔

۞ مرویّات کے اعتبار سے صحابہ کے مابین طبقات

حدیث روایت کرنے کے اعتبار سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بنیادی طور پر چار

طبقات بنتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ کثیر الروایۃ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

۲۔ اَوسط الروایۃ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

۳۔ قلیل الروایۃ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

۴۔ اَقَلُّ الروایۃ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

۱۔ کثیر الروایۃ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اس طبقہ میں وہ صحابہ کرام شامل ہیں جن سے مروی احادیث کی تعداد دو ہزار سے زائد ہے۔ کثیر الروایۃ صحابہ کو اصطلاح میں أصحاب الألوف کہا جاتا ہے۔ کثیر الروایۃ صحابہ کے نام اور ان کی مرویّات کی تعداد حسبِ ذیل ہے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	مرویّات
۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	۵۳۷۴
۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ	۲۶۳۰
۳۔ حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ	۲۲۸۶
۴۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	۲۲۱۰(۱)

۲۔ اَوسط الروایۃ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اس طبقہ میں وہ صحابہ کرام شامل ہیں جن سے مروی احادیث کی تعداد دو ہزار سے کم اور تین سو سے زائد ہے۔ اَوسط الروایۃ صحابہ کو اصطلاح میں أصحاب الألف اور

(۱) ۱۔ ابن حزم، أسماء الصحابة الرواة: ۳۷

۲۔ سیوطی، تدریب الراوی، ۲: ۲۱۷

أصحاب المئین کہا جاتا ہے۔ اوسط الروایۃ صحابہ کے نام اور ان کی مرویّات کی تعداد حسبِ ذیل ہے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	مرویّات
۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ	۱۶۶۰
۲۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	۱۵۴۰
۳۔ حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ	۱۱۷۰
۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	۸۴۸
۵۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ	۷۰۰
۶۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ	۵۳۷
۷۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	۵۳۶
۸۔ ام المؤمنین حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا	۳۷۸
۹۔ حضرت ابوموسیٰ اَشعری رضی اللہ عنہ	۳۶۰
۱۰۔ حضرت براء بن عازِب رضی اللہ عنہ	۳۰۵ (۱)

۳۔ قلیل الروایۃ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اس طبقہ میں وہ صحابہ کرام شامل ہیں جن سے مروی احادیث کی تعداد تین سو (۳۰۰) سے کم اور سو (۱۰۰) سے زائد ہے۔ قلیل الروایۃ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اصطلاح میں أصحاب المئتین اور أصحاب المائۃ کہا جاتا ہے۔ قلیل الروایۃ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے چند نام مع ان کی مرویّات کے حسبِ ذیل ہیں:

(۱) ابن حزم، أسماء الصحابۃ الرواۃ: ۴۰۔۴۷

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	مرویّات
۱۔حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ	۲۸۱
۲۔حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	۲۷۱
۳۔حضرت ابواُمامہ الباہلی رضی اللہ عنہ	۲۵۰
۴۔حضرت حُذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ	۲۲۰
۵۔حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ	۱۸۸
۶۔حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ	۱۸۱
۷۔حضرت عمران بن حُصَین رضی اللہ عنہ	۱۸۰
۸۔حضرت ابودَرداء رضی اللہ عنہ	۱۷۹
۹۔حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ	۱۷۰
۱۰۔حضرت بُرَیدہ بن حُصَیب رضی اللہ عنہ	۱۶۷
۱۱۔حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ	۱۶۴
۱۲۔حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ	۱۶۳
۱۳۔حضرت مُعاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	۱۵۵
۱۴۔حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	۱۴۶
۱۵۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	۱۴۲[1]

(۱) ابن حزم، أسماء الصحابة الرواة

۴۔ اَقَلُّ الروایۃ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اس طبقہ میں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل ہیں جن سے مروی احادیث کی تعداد بیس (۲۰) سے زائد اور سو (۱۰۰) سے کم ہے۔ اقل الروایۃ صحابہ کو اصطلاح میں ''أصحاب العشرات'' کہا جاتا ہے۔ اقل الروایۃ صحابہ کرام میں سے چند کے نام مع ان کی مرویّات کے حسبِ ذیل ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	مرویّات
۱۔ حضرت عبداللہ بن ابی اَوفٰی رضی اللہ عنہ	۹۵
۲۔ حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ	۸۱
۳۔ حضرت اسماء بنت یزید بن السکن رضی اللہ عنہا	۸۱
۴۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ	۸۰
۵۔ حضرت بلال بن رِباح رضی اللہ عنہ	۴۴
۶۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ	۳۸
۷۔ حضرت زُبیر بن عَوّام رضی اللہ عنہ	۳۶
۸۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ	۳۵
۹۔ حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	۲۵
۱۰۔ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ	۲۴
۱۱۔ حضرت صَفوان بن عَسَّال رضی اللہ عنہ	۲۰(۱)

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ بھی بہت سے ایسے ہیں جن سے أقل القلیل

(۱) ابن حزم، أسماء الصحابة الرواة

(بہت ہی کم) یعنی ۱۸، ۱۹ حتی کہ ایک یا دو احادیث مروی ہیں اور یہ وہ صحابہ ہیں جن کے نام اور احوال کتبِ اسماء الرجال اور خصوصاً صحابہ پر لکھی گئی کتب میں درج ہیں۔ اِن رواۃ صحابہ کرام کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچتی ہے۔ لیکن کیا ان تمام صحابہ کرام کو تفقہ میں وہ دسترس اور مقام حاصل تھا کہ وہ کسی بھی حدیث سے مسئلہ کا استنباط کر لیتے؟ اس کا جواب واضح طور پر ''**نہیں**'' میں ہے۔ جمیع صحابہ کرام سامعِ و راویٔ حدیث تو تھے، لیکن ان میں سے بہت کم فقاہت اور اجتہاد کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔

۶۔ جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف دس مجتہد تھے

پچھلے صفحات میں امام ابوزرعہؒ کا قول نقل کیا جا چکا ہے کہ ان کے نزدیک جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار ہے۔ ائمہ حدیث نے اسماء الرجال کی کتب میں اُن تمام صحابہ میں سے صرف دس ہزار کے قریب صحابہ کرام کے احوال جمع کیے ہیں۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ **عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عہدِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں مجتہد اور فقیہ صحابہ کی تعداد صرف دس (۱۰) تھی۔** اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ منصب کتنے بلند مرتبہ کا حامل ہے جو ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف دس کو نصیب ہوا۔ ذیل میں اس پر دلائل ملاحظہ کیجیے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہونہار شاگرد مسروق بن اجدعؒ (متوفی ۶۳ھ) سے مروی ہے:

كان أصحاب الفتوى من أصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: عمر و علي و ابن مسعود و زيد و أبي بن كعب و أبو موسى الأشعري رضی اللہ عنہم. (۱)

''حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فتویٰ دینے والے صحابہ کرام یہ تھے: حضرت عمر بن

(۱) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۲: ۳۵۱
۲۔ نووی، تهذیب الأسماء واللغات، ۱: ۱۲۱، رقم: ۴۴

خطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم۔‘‘

۲۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسمؒ بن محمد (متوفی ۱۰۶ھ) فرماتے ہیں:

كان أبوبكر وعمر وعثمان وعلي يفتون على عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. (۱)

’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم فتویٰ دیتے تھے۔‘‘

۳۔ قاسمؒ بن محمد ہی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ادوار میں سات مشیر فقہاء حضرات کے بارے میں فرماتے ہیں:

أن أبا بكر الصدّيق كان إذا نزل به أمر يريد فيه مشاورة أهل الرأي وأهل الفقه، ودعا رجالا من المهاجرين والأنصار. دعا عمر وعثمان وعلياً وعبدالرحمن بن عوف ومعاذ بن جبل وأبي بن كعب وزيد بن ثابت رضی اللہ عنہم.

وكلّ هؤلاء كان يفتي في خلافة أبي بكر، وإنما تصير فتوى الناس إلى هؤلاء النفر فمضى أبوبكر على ذلك، ثم ولّى عمر فكان يدعو هؤلاء النفر وكانت الفتوى تصير. (۲)

’’حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب کوئی ایسا معاملہ پیش آتا جس میں وہ اہلِ

(۱) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۲: ۳۳۵
۲۔ ابن عبدالبر، التمهيد، ۹: ۷۶
۳۔ ابن عساكر، تاريخ مدينة دمشق، ۳۹: ۱۸۰

(۲) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۲: ۳۵۰
۲۔ ابن عساكر، تاريخ مدينة دمشق، ۳۹: ۱۸۱

رائے اور فقہاء کی مشاورت چاہتے تو مہاجرین اور انصار میں سے صائب الرائے حضرات کو بلاتے۔ آپ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت ﷺ کو طلب کرتے۔

''ان میں سے ہر ایک حضرت ابوبکر ﷺ کی خلافت میں فتویٰ دیتا رہا، لوگ فتویٰ کے لیے ان حضرات کی طرف ہی رجوع کرتے۔ پس حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے اسی طرح معاملہ جاری رکھا، پھر حضرت عمر فاروق ﷺ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ بھی ان ہی حضرات کو بلاتے اور ان ہی کا فتویٰ چلتا تھا۔''

۴۔ تابعی کبیر امام عامر بن شراحیل الشعبیؒ (۱۰۴ھ) بیان کرتے ہیں:

كان العلم يؤخذ عن ستة: عمر و علي و أبي و ابن مسعود و زيد و أبي موسى ﷺ. (۱)

''علم چھ اشخاص سے حاصل کیا جاتا تھا: حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ۔''

۵۔ امام سلیمان بن یسارؒ (۱۱۰ھ) نے حضرت زید بن ثابت ﷺ کے بارے میں یہاں تک فرمایا ہے:

ما كان عمر وعثمان يقدّمان على زيد أحدا في الفرائض والفتوى والقراءة والقضاء. (۲)

''حضرت عمر اور حضرت عثمان کسی کو بھی حضرت زید بن ثابت ﷺ پر علمِ فرائض

(۱) ذهبي، تذكرة الحفاظ، ۱: ۲۴

(۲) ذهبي، سير أعلام النبلاء، ۲: ۴۳۴

(میراث)، فتویٰ، قراءت اور قضاء کے معاملہ میں مقدم نہ کرتے تھے۔‘‘

۶۔ امام صفوان بن سلیمؒ (۱۳۲ھ) بیان کرتے ہیں:

لم يكن يفتي في زمن النبيّ ﷺ غير عمر و علي و معاذ وأبي موسى رضی اللہ عنہم. (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ کے عہدِ مبارک میں حضرت عمر، حضرت علی، زید بن ثابت اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کے علاوہ کوئی بھی فتویٰ نہیں دیتا تھا۔‘‘

۷۔ امام علی بن عبداللہ المعروف ابن المدینیؒ (۲۳۴ھ) نے بھی عہدۂ قضاء پر درج ذیل چھ صحابہ کرام کے نام بیان کیے ہیں:

’’حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت، ابوموسیٰ اشعری اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم۔‘‘ (۲)

ان رِوایات سے پتہ چلا کہ حضور نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ادوار میں کل دس صحابہ کرام فقیہ اور مجتہد شمار کیے جاتے تھے جن میں چاروں خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ سمیت اکابر صحابہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

۞ منصبِ افتاء پر صرف ایک سو تیس صحابہ کرام فائز تھے

علامہ علی بن احمد المعروف ابنِ حزم اندلسی (۴۵۶ھ) نے جس طرح رُواۃ اور محدّثین صحابہ کرام کے اسمائے گرامی تحقیق کر کے نقل کیے ہیں اسی طرح یہ خوش نصیبی بھی

(۱) ذهبي، تذكرة الحفاظ، ۱: ۲۴

(۲) ابن منده، شروط الأئمة، ۱: ۸۵

ان ہی کو حاصل ہے کہ انہوں نے **منصبِ افتاء پر فائز ایک سوتیس (۱۳۰) صحابہ کرام** کے نام بھی تحقیق کر کے حسبِ فتاویٰ درج کیے ہیں۔ ان میں جُملہ صحابہ اور صحابیات شامل ہیں۔ فتویٰ دینے کے اعتبار سے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین درج ذیل تین طبقات ہیں:

۱۔ کثیر الفتاویٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

۲۔ اَوسط الفتاویٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

۳۔ قلیل الفتاویٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

۱۔ کثیر الفتاویٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اس فہرست میں علامہ ابنِ حزم نے درج ذیل سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو زیادہ فتویٰ دینے والوں میں شمار کیا ہے:

۱۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ۲۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ۴۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

۵۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ۶۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

۷۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا(۱)

علامہ ابنِ حزم ان کے فتاویٰ پر یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

ویمکن أن یجمع من فتیا کل واحد منهم سفر ضخم.(۲)

(۱) ۱۔ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحکام، ۵: ۸۷
۲۔ ابن قیم، أعلام الموقعین، ۱: ۱۲
۳۔ سیوطی، تدریب الراوی، ۲: ۲۱۹

(۲) ۱۔ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحکام، ۵: ۸۸
۲۔ذهبی، سیر أعلام النبلاء، ۳: ۲۳۸

’’ممکن ہے کہ اِن میں سے ہر ایک کے فتاویٰ (الگ الگ) ضخیم کتاب میں جمع ہو جائیں۔‘‘

۲۔ اوسط الفتاویٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

وہ فقہاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو پہلے طبقہ سے کم فتویٰ دیتے تھے ان کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
۲۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا
۳۔ حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ
۴۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ
۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
۶۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
۷۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ
۸۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ
۹۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ
۱۰۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
۱۱۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
۱۲۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
۱۳۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

ان حضرات کے نام نقل کرنے کے بعد ابنِ حزم لکھتے ہیں:

يمكن أن يجمع من فتيا كل امرىء منهم جزء صغير جداً. (۱)

’’ممکن ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے فتاویٰ بہت ہی چھوٹی چھوٹی جلد میں جمع ہو جائیں۔‘‘

(۱) ۱۔ ابن حزم، الإحكام فی أصول الأحكام، ۵: ۸۸
۲۔ ابن قيم، أعلام الموقعين، ۱: ۱۲

۳۔ قلیل الفتاویٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

باقی سو کے قریب ایسے صحابہ کرام ہیں جو بہت کم فتوی دیا کرتے تھے اور ان سے ایک، دو یا تھوڑے زیادہ مسئلے مروی ہیں۔ ان میں سے چند معروف مفتیانِ صحابہ کرام کے اسماءِ گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت ابو دَرداء رضی اللہ عنہ
۲۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ
۳۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ
۴۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
۵۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ
۶۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ
۷۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ
۸۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ
۹۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ
۱۰۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ
۱۱۔ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ
۱۲۔ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
۱۳۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ
۱۴۔ حضرت قُرظہ بن کعب رضی اللہ عنہ
۱۵۔ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ
۱۶۔ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ
۱۷۔ حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ
۱۸۔ حضرت عبداللہ بن اُنَیس رضی اللہ عنہ
۱۹۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ
۲۰۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ
۲۱۔ حضرت عبداللہ بن ابی اَوفیٰ رضی اللہ عنہ
۲۲۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ
۲۳۔ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا
۲۴۔ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا
۲۵۔ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

www.MinhajBooks.com

ان مفتیانِ صحابہ کے بارے میں علامہ ابنِ حزم رقم طراز ہیں:

يمكن أن يجمع من فتيا جميعهم جزء صغير فقط بعد التقصي والبحث. (۱)

’’ممکن ہے کہ ان تمام صحابہ کے فتاویٰ غور و خوض اور تلاش کے بعد ایک کتابچے میں جمع ہو جائیں۔‘‘

دو (۲) اہم علمی نکات

رُواۃ اور فقہاء صحابہ کرام کے بارے میں درج بالا تحقیق سے حسبِ ذیل دو اہم علمی نکات اخذ ہوئے:

۱۔ جو چار صحابہ کرام کثیر الروایۃ کے منصب پر فائز ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی دس مجتہدین اور فقہاء صحابہ کرام میں شامل نہیں۔ دوسری طرف دس کے دس اکابر فقہاء صحابہ کرام حدیث روایت کرنے کے اعتبار سے اوسط الروایۃ اور قلیل الروایۃ یعنی أصحاب الألف، أصحاب المئين اور أصحاب المائة میں شمار ہوتے ہیں۔ اتنا واضح فرق ہونے کے باوجود، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ’’**مجتہدین صحابہ کا شمار محدّثین یا حفاظِ حدیث صحابہ میں نہ ہوتا تھا اور یہ کہ ان کے پاس اتنا ذخیرۂ حدیث نہ تھا۔**‘‘

یہ بجا ہے کہ ائمہ حدیث نے صحابہ کے مابین حدیث روایت کرنے کا جو فرق عدد کی صورت میں بیان کیا ہے اسی طرح ہے لیکن یہ بات قطعاً درست نہیں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی احادیث کا ذخیرہ نہ رکھتا تھا۔ ان میں سے ہر ایک وسیع ذخیرۂ احادیث کا مالک تھا مگر اُن کے کندھوں پر خلافت، تعلیم و تربیت اور امت کی دیگر ایسی بھاری ذمہ داریاں تھیں جن کے باعث وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر کثیر الروایۃ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی

(۱) ۱۔ ابن حزم، الإحكام في أصول الأحكام، ۵: ۸۸
۲۔ ابن قيم، أعلام الموقعين، ۱: ۱۲

طرح وافر احادیث روایت نہ کر سکے۔ بعینہٖ یہی صورتِ حال امامِ اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی اور دیگر کثیر الروایۃ محدّثین کے درمیان رونما ہوئی۔ امامِ اعظم اور امام شافعی کے پاس وسیع احادیث کا ذخیرہ تھا لیکن ترجیحی طور پر وہ دوسرے علمی اور فکری مشاغل میں ایسے مصروف ہوئے کہ دیگر محدّثین کی طرح وہ کثیر احادیث روایت نہ کر سکے۔

۲۔ اسی طرح اگر روایۃ الحدیث اور افتاء کے حوالے سے بھی صحابہ کرام کے مابین تعداد پر نظر ڈالیں تو ان میں بھی زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے کہاں ایک سو تیس مفتیانِ صحابہ کرام اور کہاں ایک لاکھ چودہ ہزار رُواۃ صحابہ کرام؟ اس سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ محض حدیث کو روایت کرنا اور اس میں فقہ و بصیرت سے کام لینا دو مختلف امور ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں سے ہر صحابی فتویٰ دینے کے مقام پر فائز نہ تھا اگرچہ ان میں جمیع حضرات رُواۃِ حدیث تھے۔ اِس فرق کے باعث فقہاءِ عظام اور محدّثینِ کرام کے درمیان حدّ فاصل بھی خود بخود قائم ہو جاتی ہے اور فقہاء، فکری اور علمی اعتبار سے محدّثین سے بلند رتبہ کے حامل ٹھہرتے ہیں کیونکہ محدّثین اگر حدیث سے واقف ہیں تو فقہاء، حدیث اور اس کے فہم دونوں سے آگاہ ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس فرق پر بعض اوقات حسرت کا اظہار بھی فرماتے تھے کہ کثیر رُواۃ اور محدّثین صحابہ کرام تو موجود ہیں مگر احادیث کا فہم و ادراک رکھنے والے کثیر فقہاء موجود نہیں۔ درج ذیل روایت سے اسی حقیقت کا پتہ چلتا ہے جسے حضرت یحییٰ بن سعید بن قیس (۱۴۴ھ) نے روایت کیا ہے:

أنّ عمر بن الخطّاب قال يوما: عدّوا الأئمة. فعدّوها نحواً من خمسة. قال: أفمتروك النّاس بغير أئمّة. فسألت مالكا: عن الأئمّة من هم؟ قال: هم أئمّة الدّين في الفقه والورع.(۱)

(۱) سیوطی، تدریب الروای، ۲: ۳۹۹

’’حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک روز (اپنے مصاحبوں سے) فرمایا: ائمہ کو شمار کرو کتنے ہیں؟ پس لوگوں نے شمار کیا تو وہ پانچ کے قریب تھے۔ آپ نے (حسرت بھرے لہجہ میں) فرمایا: کیا لوگ ائمہ کے بغیر ہی رہ رہے ہیں؟ راوی (ابنِ وہب) کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے پوچھا: ائمہ سے کون لوگ مراد ہیں؟ انہوں نے کہا: ان سے مراد فقہ اور زہد و ورع پر فائز ائمہ دین ہیں۔‘‘

۷۔ حصولِ فقہ کے لیے محدّثین کا فقہاء کی طرف رجوع

اکابر ائمہ و محدّثین کی زندگیوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ صرف محدّث بننے سے انسان فقیہ نہیں بن جاتا بلکہا حادیث میں فہم و تدبر اور فقہ و بصیرت کا ملکہ پیدا ہونا ایک خصوصی شعبہ ہے۔ فقیہ ہونا بہت بھاری ذمہ داری ہے جس کے لیے قرآن و احادیث کا علم اور ان میں اَحکام کا فہم و اِدراک دونوں ضروری ہیں۔ عہدِ صحابہ اور بعد کے ہر دور میں عامّۃ الناس کے اندر قرآن و حدیث کا فہم و بصیرت پیدا کرنے کے لیے فقہاء کی خدمات لی جاتی رہی ہیں اور مختلف علاقوں میں لوگوں کو فقہ سکھانے کی ذمہ داری پر فقہاء کو فائز کیا جاتا رہا ہے۔ فقہاء کا مقام و مرتبہ اتنا بلند ہے کہ اکابر محدّثین بھی احادیث کے مضامین کی تفہیم کے لیے فقہاء کے پاس حاضر ہوتے اور کئی کئی سال تک ان کے ہاں زانوئے تلمذ تہہ کرتے۔ محدّثین کو فقہاء سے حدیث کے معانی اور مفاہیم سمجھنے کی حاجت ہوتی کیونکہ محدّثین کو تحصیلِ احادیث اور تحقیقِ رجال میں اتنی فرصت نہیں ہوتی تھی کہ احادیث کے مضامین اور مطالب میں غور و خوض کرنے کے لیے علیحدہ سے وقت صَرف کرتے یہ کام فقہاء کے ذمہ تھا۔ اسی حوالے سے تاریخ کے اَوراق سے چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں۔

(۱) فقہ سکھانے کے لیے جماعتِ صحابہ کی روانگی

حضرت عاصم بن عمر بن قتادہؒ (۱۲۰ھ) سے روایت ہے کہ غزوہ اُحد کے بعد مختلف علاقوں اور خطوں سے ایک وفد نے حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا:

یارسول الله، إن فينا إسلاما، فابعث معنا نفرًا من أصحابک يفقّهونا فی الدّين و يقرؤن القرآن ويعلّمونا شرائع الإسلام. فبعث رسول الله ﷺ نفراً ستّة من أصحابه.(۱)

''یارسول اللہ! ہم مسلمان ہیں، آپ ہمارے پاس اپنے چند صحابہ بھیجیں جو ہمیں تفقہ فی الدین (دین کا فہم و بصیرت) سکھائیں، تلاوتِ قرآن سکھلائیں اور شریعت کے احکام کی تعلیم دیں پس نبی اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ چھ صحابہ کو بھیج دیا۔''

(۲) صحابہ کرام کا ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف رجوع

امام ذہبیؒ (متوفی ۷۴۸ھ) امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

أم عبد الله، حبيبة رسول الله ﷺ، بنت خليفة رسول الله ﷺ أبي بكر الصديق رضی اللہ عنہ، من أكبر فقهاء الصحابة، كان فقهاء

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۰: ۳۲۷، رقم: ۷۷۵
۲۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۲۴۵، رقم: ۴۹۷۹
۳۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۲: ۵۵
۴۔ ابن هشام، السیرة النبویة، ۴: ۱۲۲
۵۔ عسقلانی، الإصابة فی تمییز الصحابة، ۲: ۶۰۴، رقم: ۲۹۰۰
۶۔ أیضاً، فتح الباری، ۷: ۳۸۰

أصحاب رسول الله ﷺ يرجعون إليها، تفقّه بها جماعة.(۱)

''آپ کی کنیت اُمِ عبداللہ ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو آپ سے بے حد محبت تھی۔ آپ، حضور ﷺ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ آپ کا شمار اکابر فقہاء صحابہ میں ہوتا ہے، فقیہ صحابہ (بعض اوقات مسائل کے حل کے لیے) آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، ایک جماعت نے آپ سے فقہ سیکھی ہے۔''

۲۔ حضرت عبداللہ بن قیس المعروف ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (۵۰ھ) آپ رضی اللہ عنہا کے فقہی مقام کے بارے میں فرماتے ہیں:

ما أشكل علينا أصحاب رسول الله ﷺ حديث قط فسألنا عائشة عنه إلا وجدنا عندها منه علما.(۲)

''جب ہم اصحابِ رسول اللہ ﷺ میں سے کسی کو کوئی حدیث سمجھنے میں دشواری پیش آتی تو ہم اس کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھتے تو ہمیں اُن کے پاس سے اس کا حل مل جاتا۔''

۳۔ حضرت قَبِيصَه بن ذُؤَيْب رضی اللہ عنہ (۸۶ھ) کہتے ہیں:

كانت عائشة أعلم الناس يسألها الأكابر من أصحاب رسول الله ﷺ.(۳)

(۱) ذهبی، تذكرة الحفاظ، ۱: ۲۷

(۲) ۱۔ ابن جوزی، صفة الصفوة، ۲: ۳۲
۲۔ ذهبي، تذكرة الحفاظ، ۱: ۲۸
۳۔ عسقلانی، تهذيب التهذيب، ۱۲: ۴۶۳

(۳) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۲: ۳۷۴
۲۔ ابن عساكر، تاريخ مدينة دمشق، ۴۰: ۲۴۹
۳۔ مزی، تهذيب الكمال، ۲۰: ۱۷

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب لوگوں سے زیادہ عالمہ تھیں، اکابر صحابہ ان کے پاس آ کر مسائل پوچھتے تھے۔‘‘

مندرجہ بالا روایات سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ صحابہ کا آپؓ کی خدمت میں آ کر دین سیکھنا آپؓ کی فقہی بصیرت اور مجتہدانہ شان کی وجہ سے تھا۔ ثانیاً دین کی تعلیم یعنی فقہ، حدیث کی روایت سے الگ چیز تھی ورنہ صحابہ کرام یہ اعتراف کبھی نہ کرتے کہ ہم حدیث کا مفہوم سمجھنے کے لیے سیدہ کے پاس حاضر ہوتے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کا حکم

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مدتِ رضاعت پر اختلاف کرتے ہوئے انہیں فرمایا:

لَا رِضَاعَ إِلَّا مَا شَدَّ الْعَظْمَ وَأَنْبَتَ اللَّحْمَ، فَقَالَ أَبُوْ مُوْسَى: لَا تَسْأَلُوْنَا وَهَذَا الْحَبْرُ فِيْكُمْ. (۱)

’’رضاعت صرف انہی ایام میں معتبر ہے جن میں اُس سے ہڈیاں مضبوط ہوں اور گوشت پیدا ہو۔ اس پر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا: جب تک تم لوگوں میں یہ (فقیہ و مجتہد) عالم موجود ہے ہم سے کوئی مسئلہ نہ پوچھا کرو۔‘‘

ذہن نشین رہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ خود فقاہت کے بلند مرتبہ پر فائز تھے لیکن جب انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تفقہ اور مسائل میں گہرا غور و خوض دیکھا تو تا دمِ آخر اپنے پاس آنے والوں کو ان کی طرف رجوع کرنے کی نصیحت کی۔

(۱) ۱۔ ابو داؤد، السنن، کتاب النکاح، باب فی الرضاعة الکبیر، ۲:۲۲۲، رقم: ۲۰۵۹

۲۔ بیهقی، السنن الکبری، ۷: ۴۶۱

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۹: ۹۱، رقم: ۸۵۰۰

۲۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فقہ میں اتنا بلند رتبہ تھا کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے لوگوں کو دین کی فقہ و بصیرت سکھانے کے لیے آپ کو بھیجا تو اہلِ کوفہ سے مخاطب ہوتے ہوئے اِن الفاظ میں آپ کی اہمیت کو بیان کیا:

إني بعثت إليكم بعبد الله بن مسعود و اخترته به على نفسي إثرة.(۱)

’’بے شک میں نے عبد اللہ بن مسعود کو تمہارے پاس بھیج دیا ہے اور ان کو اپنے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہوئے (تمہارے لیے) چنا ہے۔‘‘

(۴) اکابر صحابہ کا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع

۱۔ حضرت عبد اللہ بن ثوب المعروف ابو مسلم خَولانیؒ (۶۲ھ) ملکِ شام کی جامع مسجد حمص کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

دخلت مسجد حمص، فإذا فيه نحو من ثلاثين كهلًا من أصحاب النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. وإذا فيهم شاب، أكحل العينين، براق الثنايا، ساكت لا يتكلّم، فإذا امترى القوم في شيء أقبلوا عليه فسألوه. فقلت لجليس لي: من هذا؟ قال: معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ.(۲)

’’میں مسجدِ حمص میں داخل ہوا تو میں نے وہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقریباً

(۱) ۱۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۴۰۸، رقم: ۳۲۴۴۵
۲۔ ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۶: ۷
(۲) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۳: ۵۹۰
۲۔ ابو نعيم اصبهاني، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ۱: ۲۳۰
۳۔ ابن عساكر، تاريخ مدينة دمشق، ۵۸: ۴۲۵
۴۔ ذهبي، سير أعلام النبلاء، ۱: ۴۵۳

تیس (۳۰) معمر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا۔ اُن میں ایک سرگیں آنکھوں والے، چمکیلے دانتوں والے اور خاموش طبع نوجوان بیٹھے تھے۔ جب اُن صحابہ کو کسی مسئلہ میں شک ہوتا تو آگے بڑھ کر اس نوجوان سے پوچھتے۔ میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ اس نے کہا: یہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔‘‘

۲۔ حضرت عبداللہ بن قیس المعروف ابُو بَحْرِیَّۃ (۷۷ھ) کہتے ہیں:

دخلت مسجد حمص فإذا أنا بفتى حوله الناس جعد قطط. فإذا تكلّم كأنما يخرج من فيه نور و لؤلؤ. فقلت: من هذا؟ قالوا: معاذ بن جبل رضي الله عنه. (۱)

’’میں مسجدِ حمص میں داخل ہوا تو وہاں میں نے خمدار گھنگھریالے بالوں والے ایک نوجوان کو دیکھا جس کے چاروں طرف لوگ بیٹھے تھے۔ جب وہ بولتا تو یوں محسوس ہوتا کہ جیسے اس کے منہ سے نور نکل رہا ہو اور موتی جھڑ رہے ہوں۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا: یہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔‘‘

۳۔ حضرت عائذ اللہ بن عبداللہ (۸۰ھ) اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

أنه دخل المسجد أوّل خلافة عمر، وفي الحلقة شابّ شديد الأدمة، و ضيء، حلو المنطق، وهو أشبههم سنا، فإذا اشتبه عليهم شيء ردّوه إليه. (۲)

---

(۱) ۱۔ ابونعيم اصبهانی، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ۱: ۲۳۱
۲۔ ابن جوزی، صفة الصفوة، ۱: ۴۹۰
۳۔ ذهبی، سير أعلام النبلاء، ۱: ۴۵۵
۴۔ أيضاً، تذكرة الحفاظ، ۱: ۲۰

(۲) ذهبي، تذكرة الحفاظ، ۱: ۲۰

’’وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں مسجد میں داخل ہوئے تو انہوں نے حلقہ میں گندمی رنگ، چمکیلے دانتوں والے، شیریں گفتگو اور حاضرین میں سب سے کم عمر ایک نوجوان کو دیکھا۔ جب بھی اُنہیں کسی مسئلہ میں شبہ پڑتا تو وہ اس نوجوان کی طرف رجوع کرتے (وہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تھے)۔‘‘

اِن واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فقہ الحدیث کا رتبہ کتنا بلند ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مسائل پوچھنے والے معمر اور اکابر صحابہ یقیناً کافی احادیث سے آگاہ ہوں گے لیکن اُن کو اس طرح کا بلند پایہ تفقہ فی الحدیث حاصل نہ تھا جو نوجوان صحابی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا، اس لیے وہ اِن کی طرف رجوع کرتے۔

فقہ الحدیث کے لیے فقہاء کی مجالس میں حاضر ہونے کے حوالے سے محدّثین کے کافی حالات و واقعات تاریخ کے صفحات میں بکھرے پڑے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اس شعبہ کو روایتِ حدیث کے شعبے سے ہمیشہ الگ مقام و مرتبہ دیا۔ وہ خود بھی اپنے اپنے دور میں کسی ماہر فقیہ کی مجلس میں حاضر ہوتے اور اپنے پیروکاروں کو بھی ان سے مستفید ہونے کی اشد تلقین کرتے تھے۔ ذیل میں چند مثالوں سے اس بات کی مزید وضاحت ہو گی۔

(۵) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضرت علقمہؒ کے پاس تشریف آوری

حضرت علقمہ بن قیس کا شمار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں نہیں ہوتا لیکن وہ فہمِ حدیث میں تدبر اور تفقہ کے حوالے سے اتنے بلند مرتبہ پر فائز تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُن کے پاس مسائل پوچھنے کے لیے تشریف لاتے۔

۱۔ امام قابوس بن ابو ظَبیانؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ابو ظَبیان حصین بن جندب (۹۰ھ) سے پوچھا کہ

لأي شيء كنت تأتي علقمة وتدع أصحاب النبی ﷺ؟ قال: أصحاب النبي ﷺ يسألون علقمة و يستفتونه.(۱)

’’آپ اصحابِ رسول ﷺ کو چھوڑ کر علقمہ کے پاس کیوں جاتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں نے بہت سے صحابہ کرام ﷺ کو دیکھا ہے کہ وہ اُن کے پاس جاتے اور ان سے فتویٰ پوچھتے تھے۔‘‘

کبیر تابعی امام ابوظبیان کے اس قول میں حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷺ کے تربیت یافتہ فقیہ شاگرد علقمہ بن قیس کی بلند پایہ فقاہت کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔ احادیثِ مبارکہ کے حصول اور اخذ کا سب سے بڑا مرکز صحابہ کرام ﷺ کی ذواتِ مقدسہ ہیں لیکن جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ فقیہ ہونا ہر ایک کے نصیب میں نہ تھا لہٰذا کبار تابعین حتی کہ صحابہ کرام بھی فقہاء تابعین کے پاس مسائل پوچھنے کے لیے آتے تھے۔

(۶) صحابہ کرام ﷺ کی موجودگی میں امام شعبیؒ کا مرجعِ علم ہونا

۱۔ امام محمد بن سیرین بصریؒ (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:

قدمت الكوفة و للشعبي حلقة عظيمة وأصحاب رسول ﷺ يومئذ كثير.(۲)

(۱) ۱۔ ابونعيم اصبهانی، حلية الأولیا و طبقات الأصفياء، ۲: ۹۸
۲۔ ابن جوزی، صفوة الصفوة، ۳: ۲۷
۳۔ مزی، تهذيب الكمال، ۲۰: ۳۰۶
۴۔ ذهبی، سير أعلام النبلاء، ۴: ۵۹
۵۔ عسقلانی، الإصابة فی تمييز الصحابة، ۵: ۱۳۶
(۲) ۱۔ ابن جوزی، صفوة الصفوة، ۳: ۷۵
۲۔ ذهبی، تذكرة الحفاظ، ۱: ۸۵

’’میں کوفہ گیا تو وہاں میں نے امام شعبی کا بہت بڑا حلقۂ درس دیکھا، حالانکہ اس وقت وہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بکثرت موجود تھے۔‘‘

۲۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابنِ سیرینؒ نے امام سلمٰی بن عبداللہ المعروف ابوبکر ھُذَلیؒ (۱۶۷ھ) کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

يا أبا بكر! إذا دخلت الكوفة فاستكثر من حديث الشعبي فإن كان ليسأل و ان أصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لأحياء.(۱)

’’اے ابوبکر! جب تم کوفہ جاؤ تو شعبی کے حلقۂ درس میں کثرت سے شرکت کرنا کیونکہ ان سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں بھی مسئلہ پوچھا جاتا تھا۔‘‘

۳۔ امام مکحول شامیؒ (۱۱۳ھ)، امام شعبی کے تبحرِ علمی کو یوں بیان فرماتے ہیں:

ما رأيت أفقه من الشعبي.(۲)

’’میں نے امام شعبی سے بڑا کوئی فقیہ (یا عالم) نہیں دیکھا۔‘‘

مندرجہ بالا روایات سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ درجہ صحابیت پر فائز ہونے کی عظیم الشان نسبت اور روایتِ حدیث کی سعادت کے باوجود یہی صحابہ، دین کے اجتہادی اور فقہی مسائل پوچھنے کے لیے بعض تابعین کی مجالس میں تشریف لے جاتے تھے اور وہ

---

(۱) ۱۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۲: ۲۲۹

۲۔ ذھبی، تذکرۃ الحفاظ، ۱: ۸۱

(۲) ۱۔ مزی، تھذیب الکمال، ۱۴: ۳۵

۲۔ ذھبی، تذکرۃ الحفاظ، ۱: ۸۱ (امام ذہبی کی روایت میں ’’أعلم‘‘ کے الفاظ ہیں۔)

۳۔ عسقلانی، تقریب التھذیب، ۱: ۲۸۷

اسے اپنی شان کے خلاف نہیں بلکہ حصولِ علم کی خاطر اپنی ضرورت سمجھتے تھے۔ نیز صحابہ کا تابعین کی مجالس میں جا کر فقہ سیکھنا براہِ راست علمِ فقہ کی اہمیت اور فقہاء کی فضیلت پر شہادت ہے۔

(۷) صحابہ کا عطاءؒ بن ابی رِباح کی طرف رجوع کرنے کا حکم

۱۔ جب اہلِ مکہ میں سے کوئی شخص حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ (۶۸ھ) سے مسئلہ پوچھتا تو آپ فرماتے:

يا أهل مكة! تجتمعون عليّ و عندكم عطاء؟(۱)

''اے اہلِ مکہ! تم (اپنے ہاں) عطاء کے ہوتے ہوئے بھی (مسئلہ پوچھنے کے لیے) میرے پاس جمع ہو جاتے ہو؟''

۲۔ امام عمرو بن سعید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

قدم ابن عمر مكة فسألوه، فقال: تجمعون لي المسائل وفيكم عطاء؟(۲)

''حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ مکہ تشریف لائے تو لوگوں نے آپ سے مسائل پوچھنے شروع کر دیئے، اس پر آپ نے فرمایا: تم میرے لیے مسائل جمع رکھتے ہو حالانکہ تم میں عطاء موجود ہیں؟''

---

(۱) ۱۔ مزی، تهذيب الكمال، ۲۰: ۷۷
۲۔ ذهبی، سير أعلام النبلاء، ۵: ۸۱
۳۔ عسقلانی، تهذيب التهذيب، ۷: ۱۸۱

(۲) ۱۔ ذهبی، تذكرة الحفاظ، ۱: ۹۸
۲۔ عسقلانی، تهذيب التهذيب، ۷: ۱۸۱
۳۔ سيوطی، طبقات الحفاظ، ۱: ۴۶

(۸) اہلِ شام کا امام عبدالرحمٰن بن غنمؒ سے فقہ سیکھنا

حضرت عبدالرحمٰن بن غنمؒ (۷۸ھ) فقیہِ شام کے بارے میں امام ذہبی نے یوں لکھا ہے:

بعثه عمر إلى الشام ليفقّه النّاس، ..... هو الذي تفقّه عليه التّابعون بالشّام. (۱)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِنہیں لوگوں کو فقہ سکھانے کے لیے شام بھیجا، .....یہی وہ فقیہ ہیں جن سے تابعین نے شام میں فقہ سیکھی۔''

(۹) امام مالکؒ کا امام ربیعہؒ سے فقہ سیکھنا

امام مصعب زبیریؒ فرماتے ہیں:

هو (الإمام الربيعة) صاحب الفتوىٰ بالمدينة كان يجلس إليه وجوه الناس وبه تفقّه مالك. (۲)

''امام ربیعہ مدینہ منورہ کے منصبِ افتاء پر فائز تھے آپ کی مجلس میں عہدیداران اور صاحب الرائے لوگ حاضر ہوتے تھے اور آپ ہی سے امام مالک نے فقہ سیکھی۔''

(۱۰) محدّثین کی امام حَجّاجؒ بن اَرطاۃ کے پاس حاضری

امام حَجاج بن اَرطاۃ نخعی المعروف ابواَرطاۃ (۱۴۵ھ) کا شمار عراق کے مشہور فقہاء میں ہوتا تھا۔

(۱) ذهبی، تذكرة الحفّاظ، ۱: ۵۱

(۲) ذهبی، تذكرة الحفاظ، ۱: ۱۵۸

امام حماد بن زید بصریؒ (۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

رأيت عنده مَطَرا الورّاق و داود بن أبي هند ويونس بن عبيد جثاة على أرجلهم يقولون له: يا أبا أرطاة، ما تقول في كذا؟ ما تقول في كذا؟(۱)

''میں نے ان کے پاس جلیل القدر محدّثین مَطَر الوَرّاق، داؤد بن ابی ہند اور یونس بن عبید کو دو زانو بیٹھے دیکھا ہے۔ وہ ان سے پوچھتے تھے: ابوارطاۃ! آپ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں؟''

(۱۱) امام شافعیؒ کا امام محمد بن حسن شیبانیؒ سے تلمذ کرنا

فقہ شافعی کے بانی امام محمد بن ادریس الشافعیؒ نے امام مالکؒ کے علاوہ امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے معروف اور ہونہار شاگرد امام محمد بن حسن الشیبانیؒ سے بھی فقہ سیکھی۔ یہ امامِ اعظم کا ہی علمی فیض تھا کہ امام شافعی نے دینِ اسلام میں نئے نکتۂ نظر سے ایک عظیم فقہی مذہب کی بنیاد ڈالی۔

۱۔ امام شافعی نے امام محمد کی شاگردی اختیار کرنے اور آپ کے علمی مرتبہ کے بارے میں فرمایا:

جالسته عشر سنين، و حملت من كلامه حمل جمل، لو كان كلّم على قدر عقله ما فهمنا كلامه، ولكنّه كان يكلّمنا على قدر عقولنا.(۲)

(۱) ۱۔ فسوی، المعرفة والتاريخ، ۳: ۳۶۱
۲۔ خطيب بغدادی، تاريخ بغداد، ۸: ۲۳۱
۳۔ جرجانی، تاريخ جرجان، ۱: ۵۵۵
۴۔ ذهبی، تذكرة الحفاظ، ۱: ۱۸۷

(۲) ابن بزاز كردری، مناقب الإمام الأعظم أبی حنيفة، ۲: ۱۵۵

’’میں امام محمد کی خدمت میں دس سال رہا اور میں نے ان سے اس قدر علم حاصل کیا ہے کہ اسے اٹھانے کے لیے ایک اونٹ کی ضرورت ہے۔ وہ اگر اپنے (بلند پایہ) عقل وفہم کے مطابق ہم سے گفتگو کرتے تو ہم سمجھ نہ پاتے لیکن انہوں نے ہماری عقلوں کے مطابق ہم سے گفتگو کی۔‘‘

۲۔ امام حَرمَلہ بن یحییٰ سے روایت ہے کہ میں نے امام شافعی کو کہتے ہوئے سنا:

ما رأيت أحدا قطّ إذا تكلّم رأيت القرآن نزل بلغته إلا محمّد بن الحسن، فإنّه كان إذا تكلّم رأيت القرآن نزل بلغته، ولقد كتبت عنه حمل بعير ذكر، وإنما قلت ’’ذكر‘‘ لأنه بلغني أنه يحمل أكثر مما تحمل الأنثى. (۱)

’’میں نے محمد بن حسن کے علاوہ کسی ایک کو نہیں دیکھا کہ وہ ایسے گفتگو کرے جیسے قرآن اس کی زبان میں اترا ہو، جب امام محمد کلام کرتے تو مجھے محسوس ہوتا کہ قرآن انہی کی زبان پر اترا ہے۔ میں نے ان سے اتنا علم لکھا ہے کہ اس کا بوجھ نذکر اونٹ اٹھا سکتا ہے، میں نے ’’نذکر‘‘ کا لفظ اس لیے استعمال کیا ہے کہ مجھے معلوم ہے وہ مؤنث (یعنی اونٹنی) سے زیادہ بوجھ اٹھا سکتا ہے۔‘‘

(۱۲) امام احمدؒ بن حنبل کا امام شافعیؒ سے فقہ سیکھنا

۱۔ محمد بن فضل بزارؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل کے ساتھ حج کیا تو اس دوران ان کے ساتھ ہی مکہ کے ایک گھر میں قیام پذیر ہوا۔ اگلے دن ابوعبداللہ (امام احمد) منہ اندھیرے ہی گھر سے نکل گئے جبکہ میں ان کے بعد نکلا تو مسجد میں صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد میں انہیں دیکھنے لگا، (وہ وہاں نہ ملے) تو میں

(۱) ۱۔ صیمری، أخبار أبی حنیفة وأصحابه: ۱۲۳
۲۔ ذهبی، مناقب الإمام أبی حنیفة وصاحبیه: ۵۱

سفیان بن عیینہ کی مجلسِ حدیث میں گیا (کہ کہیں ان کے درسِ حدیث میں بیٹھے ہو)۔ اسی طرح احمد بن حنبل کو جگہ جگہ مجالسِ حدیث میں تلاش کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے انہیں ایک اعرابی شخص کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا جس نے رنگدار کپڑے پہنے ہوئے تھے اور کانوں کی لَو سے نیچے تک زلفیں رکھی ہوئی تھیں تو مجھے بڑا تعجب ہوا۔ میں نے احمد بن حنبل کے پاس بیٹھ کر ان سے پوچھا کہ ابوعبداللہ! آپ نے ابنِ عیینہ کے درس کو چھوڑ دیا جن کے پاس زہری، عمرو بن دینار، زیاد بن علاقہ اور کئی اکابر تابعین حاضر ہوتے ہیں، آخر کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے فرمایا:

اسكت! فإن فاتک حديث بعلّو تجده بنزول، ولا يضرّک في دينک، ولا في عقلک، ولا في فهمک، إن فاتک عقل هذا الفتى أخاف أن لا تجده إلى يوم القيامة. ما رأيت أفقه في كتاب الله من هذا الفتى القرشي. قلت: من هذا؟ قال: محمّد بن إدريس الشافعي. (۱)

''خاموش رہ! اگر تمہیں عالی سند سے حدیث نہ ملی تو نازل سے مل جائے گی اور اس سے تمہارے دین، تمہاری عقل اور تمہارے فہم کو کوئی نقصان نہیں ہوگا (لیکن) اگر تم نے اس نوجوان کے عقل و فہم سے کچھ حاصل نہ کیا تو مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے دن تک تم اسے نہ پا سکو گے، میں نے اس قریشی نوجوان سے بڑھ کر کسی امام کو قرآن سمجھنے والا نہیں دیکھا۔ (فرماتے ہیں اس پر) میں نے پوچھا: یہ نوجوان کون ہے؟ انہوں نے فرمایا: امام محمد بن ادریس الشافعی۔''

۲۔ سیدالمحدّثین امام یحییٰ بن معین (۲۳۳ھ) سے روایت ہے کہ جب امام شافعی بغداد تشریف لاتے تو امام احمد بن حنبل ابتداءً اُن (کے پاس جانے) سے روکا کرتے

(۱) اصبهاني، حلية الأولیا و طبقات الأصفياء، ۹:۹۸، ۹۹

تھے۔ میرا ایک دن ان سے آمنا سامنا ہوا تو میں نے دیکھا کہ امام شافعی خچر پر سوار ہیں جبکہ امام احمد بن حنبل ان کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں۔ اس پر میں نے کہا:

يا أبا عبدالله! أنت كنت تنهانا عنه و أنت تتبعه؟ قال: اسكت! إن لزمت البغلة انتفعت. (۱)

''ابوعبداللہ! آپ ہم کو اِن سے روکتے تھے اور اب خود ہی ان کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: خاموش رہو! اگر آپ بھی ان کے خچر کے ساتھ ساتھ چلیں گے تو آپ کو بھی فائدہ ہو گا۔''

۳۔ اس سلسلہ میں ایک روایت امام ابنِ ماجہ نے بیان کی ہے جو خصوصی طور پر امام احمد بن حنبل کے حدیث اور فقہ کے بارے میں نکتہ نظر کو واضح کرتی ہے۔

یہی امام یحییٰ بن معین ایک روز امام احمد بن حنبل کے پاس موجود تھے کہ اس دوران امام شافعی سواری پر وہاں سے گزرے تو امام احمد نے انہیں (اٹھ کر) خوش آمدید کہا اور ان کے پاس دیر تک رکے رہے جبکہ یحییٰ وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب امام احمد واپس آئے تو امام یحییٰ نے ان سے پوچھا:

يا أبا عبدالله! كم هذا؟ فقال أحمد: دع هذا عنك، إن أردت الفقه فالزم ذنب البغلة. (۲)

''ابوعبداللہ! اس شخص کے پاس کتنی احادیث ہیں؟ امام احمد نے فرمایا: اس بات کو آپ چھوڑ دیں، اگر آپ فقہِ حدیث کے حصول کا ارادہ رکھتے ہیں تو اس خچر کی دم کو تھام لیں۔''

معلوم ہوا کہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک فقہ الحدیث کی اتنی قدر و منزلت تھی

(۱) اصبهانی، حلية الأولياء و طبقات الأصفياء، ۹:۹۹

(۲) اصبهانی، حلية الاولیا و طبقات الأصفياء، ۹:۹۹

کہ اکابر محدّثین کی صحبت اور سندِ عالی کے حصول پر فقہاء کی صحبت کو ترجیح دیتے تھے اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ ان کے پاس کتنی احادیث مبارکہ کا ذخیرہ ہے۔ خود اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد دوسرے محدّثین کی بھی اسی راہ کی طرف رہنمائی کرتے تھے کہ عالی حدیث کو نہ پانے سے تمہاری عقل و شعور اور دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا جبکہ کسی اجل فقیہ کی صحبت سے محرومی کے باعث تم تاقیامت علم و شعور اور حکمت و بصیرت کے ہونے والے اس نقصان کی تلافی نہیں کر سکو گے۔

خلاصۂ بحث

درج بالا تحقیق سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہوا کہ علم الحدیث الگ شعبہ ہے اور فقہ الحدیث الگ شعبہ ہے۔ علم الحدیث کے ماہرین ''محدّثین'' کہلائے جبکہ فقہ الحدیث کے ماہرین ''فقہاء'' کہلائے۔ دونوں طرف کے حضرات کے پاس حدیث کا وسیع ذخیرہ ہے مگر ایک گروہ نے روایتِ حدیث اور درایتِ حدیث میں تخصص کیا تو دوسرے گروہ نے فہمِ حدیث اور بصیرتِ حدیث میں مہارت حاصل کی۔ محدّثین کو روایت کی چھان پھٹک میں فوقیت حاصل ہے تو فقہاء کو روایت کے مضامین کی سمجھ بوجھ میں۔ دونوں طرف کے حضرات ایک دوسرے کی طرف رجوع کرتے۔ فقہاء، حصولِ حدیث کے لیے محدّثین کی طرف رجوع کرتے اور محدّثین فہمِ حدیث کے لیے فقہاء کی طرف۔ لہٰذا دونوں شعبوں کو الگ الگ تسلیم نہ کرنا یا دونوں میں سے کسی ایک کا رد کرنا محض عدمِ علم اور مبنی بر جہالت ہے۔

ائمہ کرام کے مذکورہ بالا تمام احوال سے ثابت ہوتا ہے کہ محدّثینِ عظام احادیث کی فقہ و بصیرت اور فہم کے لیے ہر زمانہ میں فقہاء کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان سے بطورِ خاص فقہ سیکھتے۔ اس قسم کی روایات بکثرت ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرونِ اُولیٰ میں یعنی زمانۂ صحابہ سے لے کر آئمہ مجتہدین کے وقت تک فقہاء حضرات خال خال ہی ہوتے اور لوگوں کے درمیان ان کی قدر و منزلت تسلیم شدہ ہوتی جبکہ محدّثین میں بھی وہ

بلند پایہ محدّث کے طور پر جانے جاتے تھے۔ اُس زمانہ میں ہر محدّث، فقیہ نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ ایسے محدّث کو فقیہ کہتے تھے جس میں اعلیٰ درجہ کی سمجھ بوجھ، فہم اور قوتِ اجتہادی ہوتی تھی اور پھر یہ قوتِ فقہ و بصیرت بھی ہر ایک میں یکساں نہیں ہوتی بلکہ ہر کسی کو اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے خزانۂ علم و حکمت سے عطاء ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے دور میں امام مالک، ابنِ ابی لیلیٰ، ابنِ شبرمہ، سفیان ثوری، داؤد بن ابی ہند اور اوزاعی جیسے عظیم المرتبت اکابر فقہاء پیدا ہوئے لیکن نصوصِ قرآن اور حدیث سے استنباط و استخراج کا جو فہم و اِدراک اور تدبر و تفقہ امام صاحبؒ کے حصہ میں آیا وہ روئے زمین پر آپ کے بعد کسی اور دوسرے امام کو نصیب نہیں ہوا۔ فہمِ حدیث اور حدیث دانی میں آپ کے اسی بلند مرتبہ کے باعث آپ کی حیات ہی میں اکابر محدّثین کثرت سے آپ کی دریوزہ گری کرنے میں فخر محسوس کرتے اور بعد از وصال آپ کی عدم موجودگی میں علم الحدیث کے دقیق اور پیچیدہ اِشکال پیدا ہونے پر آپ کو یاد کر کے سرد آہیں بھرتے تھے۔

www.MinhajBooks.com